زن کا زور

محی الدین نواب

چنگیز خان ...... دہشت و بربریت کی علامت اس دنیا سے رخصت ہوا۔ تاریخ کا سفر اور آگے بڑھا، اس کی اولادوں نے اس کے شروع کیے کام کو جاری رکھا۔ دور دراز کے علاقے ان کے گھوڑوں تلے روندے جاتے رہے۔ مرنے والا بھی جوع الارض کے مرض میں مبتلا تھا یہی عارضہ اس کی اولادوں کو بھی لاحق تھا...... جنگ و جدل، قتل و غارت گری اور دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک حکمرانی کرنے کا خواب انہیں بے چین و بے قرار ادھر ادھر پھرائے پھرتا تھا...... ایک طرف یہ سب ہورہا تھا دوسری طرف ایک جنگ ایک مناقشہ ان کے اندر بھی جاری تھا، ایک ایسا مسئلہ جس نے ان فاتحین کو مفتوح کردیا تھا اور وہ مسئلہ تھا "عورت"۔ دنیا کے ہر مسئلے پر باہمی اتفاق رکھنے والے اس مسئلے میں بری طرح منتشر ہوئے۔ صورت حالات اس طرح تھی گویا ایک انار ہو اور کئی بیمار اور ہر ایک کی بیماری کی شفا کا راز اسی انار میں پنہاں تھا۔ منگول جو بعد کو مغل کہلائے ان کے خیموں میں کھیلے جانے والے محبت و رقابت کے کھیل اس کہانی کے ذریعے آپ کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں کیوں کہ بہرحال وہ بھی انسان تھے اور جہاں انسان ہو وہاں جذبات و احساسات بھی ضرور ہوتے ہیں۔

ماضی کا آئینہ با اختیار اور بے اختیار انسانوں کے واقعات جن میں درسِ عبرت بھی ہے اور لذتِ فسانہ بھی

وہ لوگ جیسے عجیب اور بے تکے تھے ویسی ہی ان کی بڑی گاڑیاں بھی تھیں۔ وہ گاڑیاں بیس فٹ چوڑی اور تیس فٹ لمبی ہوتی تھیں۔ بائیس بائیس بیل میلوں دور تک انہیں کھینچ کر لے جاتے تھے۔ گنبد نما بڑے بڑے خیمے گاڑیوں پر رکھے رہتے تھے۔ ان کے اندر خیموں کے مکین تو ہوتے ہی تھے۔ ان کے ساتھ زندگی گزارنے کے تمام ضروری ساز و سامان بھی موجود رہا کرتے تھے۔ فولادی ہتھیاروں کا وزن بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ چلتے وقت ان کے پہیے چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ شور مچاتے جاتے تھے۔ زیادہ سامان لادنے کے باعث وہ گاڑیاں احتجاجاً چرچراتی رہتی تھیں۔ "چو... چو... چواچواں... چواں، چواں چوچو۔"

وہ وحشی خانہ بدوش برسا برس سے ایسی ہی آوازیں سنتے آرہے تھے۔ وہ چرچراہٹ ایسی بھلی لگتی تھی، جیسے سرنگیت نغمے جارہے ہوں۔

مسلح پیدل اور سوار سپاہیوں کا ایک قافلہ رواں دواں تھا۔ وہ چند گاڑیوں کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چل رہے تھے۔ لوٹ مار کے دوران جس قدر اناج، کپڑے، ہتھیار، سونا، چاندی اور جواہرات ہاتھ لگے تھے، وہ سب ان گاڑیوں پر رکھے گئے تھے۔ صرف درمیانی گاڑی ایسی تھی۔ جس پر کوئی سامان نہیں تھا۔ صرف ایک تابوت رکھا ہوا تھا اور اس تابوت میں تموچین خان اعظم چنگیز خاں ابدی نیند سو رہا تھا۔

اس نے مکریت قبیلے کے باغیوں کو کچلنے کے لیے ان پر حملہ کیا تھا۔ اپنے فاتحانہ اصولوں کے مطابق اس نے انہیں تو کچل ہی دیا تھا لیکن موت نے اسے بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اسے چکھتی ہوئی گزر گئی تھی۔ بے شک یہ اس کی فاتحانہ شان تھی۔ کہ کسی دشمن کے تیر تلوار نے اس کا بال بھی بیکا نہیں کیا تھا۔ ہزاروں انسانوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنے والا طبعی موت مرا تھا۔

مکریت قبیلے کے لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ چنگیز مر چکا ہے۔ لہٰذا اس کی فوج نے غلبہ پاتے ہی اُس قبیلے کے ایک ایک جوان، ایک ایک بوڑھے اور بچے کو قتل کر ڈالا۔ کسی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی زندہ بچ کر دشمن قبیلوں تک جائے اور خان اعظم کی موت کی خبر دور تک پھیلائے۔

ایک شیر ببر کے مردہ ہونے کی خبر ملتی تو سارے ہی دشمن شیر ہو جاتے اور حملہ کرنے میں دیر نہ کرتے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ دشمن ان کے خان اعظم کی میت پر حملہ کریں۔ آگے جاتے ہوئے کتنے ہی لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس کی میت ہے؟

جس نے بھی پوچھا، اسے تابوت کا ڈھکن ہٹا کر چنگیز خاں کی لاش دکھائی گئی۔ پھر اسے قتل کر دیا گیا تاکہ وہ آگے جا کر یہ خبر دوسروں تک نہ پہنچا سکے۔

وہ خان اعظم اپنی زندگی میں ہزاروں جانثاروں کے ساتھ موت کا فرشتہ بن کر شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک جاتا رہا تھا۔ اپنی موت کے بعد بھی وہ عذاب جان بن گیا تھا۔ اس کی میت کے قریب سے گزرنے والے راہ گیر اپنی جان سے جارہے تھے۔ اس کی دہشت کوئی معمولی اور عارضی نہیں تھی۔ اس کے بعد بھی تاریخ کے صفحات اس کی دہشت دلوں میں بٹھا رہے ہیں۔ آج بھی جو لوگ ظالم جابر اور دہشت گرد ہوتے ہیں۔ وہ بڑے فخر سے خود کو چنگیز خاں کہتے ہیں۔

وہ جس نے تقریباً ساری دنیا فتح کی تھی اور اپنی خواہش پوری کی تھی۔ وہ مرتے وقت ایک حسرت اپنے دل میں لے کر گیا تھا اور وہ حسرت تھی ھینا...... وہ بہت ہی حسین و جمیل تھی۔ اس کے سوتیلے بیٹے جوجی کی بیوی تھی۔ وہ تقریباً بارہ برس تک اس حسینہ کو چھونے کی خواہش کرتا رہا مگر اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی۔

اس نے کئی بار اپنے سوتیلے بیٹے سے سودے بازی کی کہ وہ جو چاہے اپنے خان اعظم سے طلب کرے اور ھینا کو اس کے لیے آزاد کر دے۔ لیکن اس سوتیلے نے مرتے دم تک اس سے سمجھوتا نہ کیا۔ اس کی وہ ایک خواہش پوری نہیں کی۔

قبیلے کے بڑے بڑے سردار یہ بات جانتے تھے کہ خان اعظم کا دل اس حسینہ پر اٹکا ہوا ہے۔ لیکن جب تک بہو کا رشتہ رہے گا تب تک وہ اسے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا اور نہ ہی اپنی بیوی بورتائی کو دیے ہوئے وعدے سے پھرے گا۔ وہ زبان کا سچا تھا۔ اپنی اس ایک خواہش کو اندر ہی اندر کچلتا رہا لیکن کبھی اس نے اپنی بورتائی کا دل نہیں دکھایا۔

سرداروں نے سفر کے دوران ھینا کو اس کے تابوت کے پاس بٹھا دیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کا خان اعظم زندگی میں جسے حاصل نہ کر سکا، وہ موت کے بعد اس کے قریب رہے۔ اس طرح اس کی روح کو سکون حاصل ہوتا رہے گا۔

لوگ کہتے ہیں کہ عورت جونک کی طرح ہوتی ہے۔ چمٹ جائے تو ساری زندگی پیچھا نہیں چھوڑتی مگر مرد تو اس سے بھی سوا ہوتا ہے۔ وہ تو مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہا

تھا۔ اسے اپنی میت کے ساتھ لے جا رہا تھا۔

وہ بیچاری اپنے شوہر کی موت کا صدمہ بھول گئی تھی۔ دل میں دھڑکا لگا ہوا تھا کہ پتا نہیں اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ جب قبیلے کے بڑے بڑے سردار مارے جاتے تھے اور ان کی تدفین ہوتی تھی تو ان کی قبر بہت ہی وسیع و عریض بنائی جاتی تھی۔ کیونکہ ان مرنے والوں کے ساتھ وہ تمام چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ جن سے انہیں زندگی میں بہت پیار رہا تھا۔ تلوار' تیر' کمان' نیزے' ڈھالیں اور جانوروں کا گوشت جسے وہ بڑی رغبت سے کھاتے تھے۔ وہ تمام چیزیں بھی قبر میں لا کر رکھی جاتی تھیں۔ جو پالتو اور چہیتا جانور سردار کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا تھا۔ اسے بھی مار کر سردار کے ساتھ سلا دیا جاتا تھا۔

وہ فوجی قافلہ جا رہا تھا۔ گاڑیوں کے پہیے چرچراہٹ کے ساتھ گھوم رہے تھے اور تابوت سے لگی ہوئی شینا کا سر بھی گھوم رہا تھا۔ دل میں حسرت لے کر مرنے والے کی ہیبت طاری تھی۔ یہ خیال دہلا رہا تھا کہ خان اعظم کی حسرت پوری کرنے کے لیے اس بدنصیب بیوہ کو بھی ہلاک کر کے اس کے ساتھ سلایا جا سکتا ہے۔ تاکہ وہ قبر کے اندر رہتی دنیا تک خان اعظم کی حسرت پوری کرتی رہے۔

وہ رو رہی تھی۔ اس کے آنسو دیکھ کر قبیلے کے سردار اور جاں نثار یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ خان اعظم کی موت کا صدمہ اٹھا رہی ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ اپنے شوہر کی موت پر آنسو بہا رہی ہے۔ ویسے قبیلے کی عورتیں اپنے مردوں کی موت کا محض رسمی طور پر ماتم کرتی تھیں۔ حقیقتاً یہ سوچ سوچ کر ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے کہ شوہر کے بعد پتا نہیں کون دوسرا تیسرا آ کر ان پر جھپٹنے والا ہے؟ مگر شینا کو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ تابوت میں پڑا ہوا مردہ اسے جھپٹ کر لے جا رہا ہے۔

اسے اس بات پر بھی رونا آ رہا تھا کہ جاودانی آسمان نے اسے اس قدر حسین کیوں بنایا؟ اس کے سراپا میں ایسی غیر معمولی کشش کیوں پیدا کی کہ ہر دیکھنے والا للچانے لگتا تھا! ایک تو عورت کے نام اور اس کے وجود میں ہی کشش ہوتی ہے۔ اوپر سے وہ اوپر والا غیر معمولی حسن و شباب کی سوغات عطا کرے تو وہ سوغات لیے پھرنے والی کی زندگی کانٹوں پر بسر ہوتی ہے۔ اسے ہر قدم پر جھپٹنے والے ہی ملتے رہتے ہیں۔

چنگیز خان کے چار بیٹے تھے۔ پہلا بیٹا جوجی سوتیلا تھا۔ باقی تین بیٹے چغتائی' اوغدائی اور تولوئی اس کے اپنے نطفے سے تھے۔ وہ یوں اپنے سوتیلے بھائی جوجی کو کڑی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ وہ ایک دشمن سے پیدا ہوا تھا۔ چنگیز کو بھی سوتیلے بیٹے سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ محض چہیتی بیوی بورتائی کی دلجوئی کی خاطر اپنے سگے بیٹوں کے برابر اسے تمام حقوق دیتا رہتا تھا۔

اس وقت وہ تینوں چغتائی' اوغدائی اور تولوئی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ زرہ بکتر پہنے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اپنے باپ کے تابوت والی گاڑی کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ انہیں اپنے باپ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ جواں مردوں کی طرح اس کا صدمہ برداشت کر رہے تھے۔ محبت اور عقیدت کا تقاضا تھا کہ موت کے بعد وہ باپ کی ہر چیز کو اچھی طرح سنبھال کر رکھیں۔ لہٰذا وہ فرمانبردار اولاد کی طرح صرف باپ کے تابوت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ بھی چل رہے تھے۔ آگے چل کر اس حسن و شباب کے بارود سے بھرے ہوئے مجسمے کو بھی سنبھالنا تھا۔

بارہ برس پہلے جب جوجی شینا کو بیوی بنا کر قبیلے میں لایا تھا تب ان تینوں سوتیلے بھائیوں نے اس کی دلہن کو دیکھا تھا اور چپ چاپ آہیں بھر کر رہ گئے تھے۔ کیونکہ ان کے باپ نے اس حسینہ کے لیے اپنی دیوانگی ظاہر کی تھی۔ اس دن چغتائی نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ "بڑی زبردست عورت ہے۔ جی چاہتا ہے جوجی کو قتل کر کے اسے اٹھا لے جاؤں۔"

دوسرے بھائی اوغدائی نے کہا۔ "جاودانی آسمان کی قسم! میں اس وقت میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ اس عورت کے لیے خون کی ندیاں بہائی جا سکتی ہیں۔"

تیسرے بھائی تولوئی نے کہا۔ "میں تو انگوری شراب کا رسیا ہوں۔ اس کے آگے عورت کو بھول جاتا ہوں۔ بہتر ہے اسے دل و دماغ سے نکال دو۔ اسے حاصل نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ ہمارا باپ اس کا طلب گار ہے۔"

ان تینوں بھائیوں کو یقین تھا کہ ان کا باپ زیادہ عرصے تک شینا سے محروم نہیں رہے گا۔ اسے حاصل کرنے کے لیے اپنے سوتیلے بیٹے جوجی کو ٹھکانے لگا دے گا۔ اس کی ماں بورتائی بہت مضبوط چٹان تھی۔ اگرچہ خان اعظم اس چٹان کو توڑ سکتا تھا مگر تھک کر اسی کے سائے میں بیٹھ جاتا تھا۔

اس طرح بارہ برس گزر گئے تھے۔ پھر تقدیر اپنا فیصلہ سنانے لگی۔ جوجی طبعی موت مر گیا تو خان اعظم کے دن پھر گئے۔ شینا کو اس کے یورت میں پہنچایا گیا۔ لیکن مقدر

تماشے کو کون سمجھتا ہے؟ وہ تموچین' وہ چنگیز خاں جو اپنی مٹھی میں لہو کا جما ہوا لوتھڑا لے کر پیدا ہوا تھا۔ وہ اس ہاتھ سے شینا کو چھو بھی نہ سکا۔ چھونے سے پہلے ہی بے دم ہو گیا۔

باپ مر چکا تھا لہٰذا اس کے بعد بھائی کی بیوہ پر تینوں بھائیوں کا حق تھا۔ ان میں سے کوئی ایک اسے اپنی بیوی بنا سکتا تھا۔ انہیں روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔ ماں مر چکی تھی۔ باپ بھی مر چکا تھا۔ وہ تینوں بھائی مغل قبیلے کے مالک و حکمران تھے اور انہی میں سے کوئی آئندہ خان اعظم بننے والا تھا۔

جب وہ تابوت قبیلے میں پہنچا تو وہاں بھی راز داری سے کام لیا گیا۔ اس قبیلے میں پچیس ہزار جانباز تھے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسلح رہ کر قبیلے کے چاروں طرف محتاط اور مستعد رہیں۔ دوسرے قبیلوں کے سردار اگر اپنی فوج کے ساتھ تعزیت کے لیے آنا چاہیں تو انہیں وہیں روک دیا جائے۔ صرف سرداروں کو قبیلے میں آنے کی اجازت دی جائے۔

پھر اس کی موت کا اعلان کیا گیا تو دور دور کے قبیلوں کے سردار تعزیت کے لیے آنے لگے اور کہنے لگے... "وہ جو مضبوط چٹان تھا' کیسے ٹوٹ گیا...؟ وہ جو ہمارے سامنے شہباز کی طرح اڑتا تھا' اس شہپر کے پیچھے چل گئے...؟"

پھر وہ کہتے تھے۔ "ہمیں یقین نہیں ہو رہا ہے کہ خان اعظم چنگیز خاں کو موت آ سکتی ہے۔ وہ جب تک زندہ رہا' زندوں کے لیے موت بنا رہا۔ اسے کوئی نہیں مار سکتا تھا۔ اس لیے جاودانی آسمان نے اسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔"

بورتائی کی موت کے بعد چنگیز کی چار بیویاں رہ گئی تھیں۔ دستور کے مطابق چار دنوں تک روزانہ ایک بیوی کے یورت کے سامنے تابوت کو لا کر رکھا جاتا تھا۔ روزانہ ایک ایک بیوی کے بین کرنے کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

"اے میرے خاقان... تو مجھے خشک قبیلے سے اٹھا کر ہری بھری چراگاہوں میں لے کر آیا۔ تو نے مجھے ہری بھری زندگی دی۔ تیرے بعد اب میرا کیا ہوگا؟ اے میرے خان...!

تو مجھے شیریں دریاؤں کا پانی پلاتا تھا۔ تو میرے سر پر آسمان کی طرح چھایا رہتا تھا۔ طوفانی موسموں میں مجھے تحفظ دیتا تھا اور برف باری کی سرد ہواؤں میں مجھے گرم رکھتا تھا۔ اب تیری حرارت کہاں پاؤں گی؟ میرے خان!"

چار دنوں تک چار بیویوں کے یورت میں ماتم ہوتا رہا اور وہ تینوں بھائی شینا کے پاس آتے جاتے رہے۔ انہوں نے حکم دیا تھا کہ اسے ایک الگ یورت میں رکھا جائے۔ کھانے پینے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے۔ کئی خادماؤں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کی خدمت کے لیے ہمہ وقت موجود رہا کریں۔

چار دنوں کے بعد خان اعظم کی تدفین ہونے والی تھی۔ شینا کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی کہ پتا نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ یہ سننے میں آیا تھا کہ چنگیز کی تلوار' تیر' کمان اور ڈھالیں ایک یورت میں لا کر رکھی جا رہی ہیں۔ اس کی جتنی پسندیدہ چیزیں تھیں ان سب کو وہاں پہنچایا جا رہا تھا۔ ایک شہباز اور دو شکاری کتے شکار کے وقت ہمیشہ اس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ انہیں بھی اسی یورت میں پہنچا دیا گیا تھا۔

ایک بار چغتائی تنہائی میں شینا کے پاس آیا تو وہ رونے لگی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیا یہاں تجھے تکلیف پہنچ رہی ہے؟"

اس نے روتے ہوئے پوچھا۔ "میرا انجام کیا ہوگا؟ تیرا باپ میرا دیوانہ تھا۔ اپنی زندگی میں مجھے حاصل نہ کر سکا' کیا مجھے اس کے ساتھ قبر میں سلایا جائے گا؟"

چغتائی نے کہا۔ "قبیلے کے شامان یہی کہہ رہے ہیں لیکن میں نے سختی سے اعتراض کیا ہے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

وہ اچانک اس کی گردن میں بانہیں ڈال کر اس سے لپٹ کر بولی۔ "تو میرے بدن کو دور سے دیکھتا ہے۔ لے اسے قریب سے محسوس کر۔ اس سرد موسم میں کتنی گرم ہوں اور تجھے آئندہ کس طرح گرم رکھوں گی؟ بس تو میری جان بچا لے۔"

چغتائی کو یوں لگ رہا تھا' جیسے آگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ اس سے لپٹ گیا ہے۔ اس نے بدن کی ایسی گرمی' ایسی نرمی اور پاگل کر دینے والی ایسی کشش کسی میں نہیں دیکھی تھی۔ قدرت نے اسے مکھن سے تراش کر اس کے اندر انگارے بھر دیے تھے۔ اس سرد علاقے میں ایسی انگیٹھی کسی ہاتھ تاپنے والے قدردان کو ہی مل سکتی تھی۔

وہ فوراً ہی تڑپ کر الگ ہو گیا۔ پھر بولا۔ "میرے دوسرے بھائی بھی تیرے طلب گار ہیں۔"

اس نے پوچھا۔ "تو پھر...؟"

"ہم تینوں بھائی کسی معاملے میں ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولتے۔ کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتے۔ تیرے معاملے میں بھی ہم تینوں فیصلہ کر رہے ہیں کہ تو کس کے

یورت میں آئے گی؟ جب تک یہ فیصلہ نہیں ہوگا تب تک میں تجھے ہاتھ نہیں لگاؤں گا مگر تیری تمنا کرتا رہوں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے اپنے لیے زندہ رکھوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ شینا نے ایک ذرا اطمینان کی گہری سانس لی۔ یہ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ وہ خان اعظم کے تینوں جانشینوں کو اپنی طرف مائل کر کے ہی اپنی عمر بڑھا سکتی ہے۔

چنگیز خان اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں ایک چینی دانشور لیو چت سائی سے بہت متاثر تھا۔ اس کی ذہانت اور عملی صلاحیتوں کے پیش نظر اسے اپنا مشیر خاص بنا کر رکھتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اس سے مشورہ طلب کرتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں کو اور قبیلے کے بڑے بڑے سرداروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ کسی بھی اہم معاملے میں لیو چت سائی کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کریں۔ اب اس کی موت کے بعد شینا ایک مسئلہ بن گئی تھی۔

قبیلے کے بزرگ اور جاودانی آسمان سے باتیں کرنے والے شامان کہہ رہے تھے کہ دستور کے مطابق خان اعظم کی ہر پسندیدہ چیز کو اس کے ساتھ قبر میں جانا چاہیے اور شینا تو اس کی سب سے پسندیدہ چیز تھی، جسے وہ حاصل نہ کر سکا تھا۔ وہ عورت اس کے ساتھ قبر میں رہے گی تو اس کی روح کو سکون ملتا رہے گا۔

دوسری طرف اس کے تینوں بیٹے شینا کی زندگی چاہتے تھے۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ آئندہ ہم میں سے کوئی ایک خان اعظم بنے گا۔ اس وقت تک ہم تینوں بھائیوں کے حکم کے مطابق یہاں کے معاملات نمٹائے جائیں گے اور شینا کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ اسے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ وہ ہم تینوں میں سے کسی ایک بھائی کے یورت میں رہے گی۔

ان تینوں نے قبیلے کے بزرگوں، شامانوں اور سرداروں کے اجلاس میں کہا۔ "خان بابا نے ہدایت کی تھی کہ کسی بھی اہم مسئلے میں لیو چت سائی کا مشورہ ضرور قبول کیا جائے۔ لہٰذا ہم اسی دانشور سے کہتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں اپنا فیصلہ سنائے۔"

لیو چت سائی ایک دراز قد چینی دانشور تھا۔ اس کے قد کی طرح اس کی مونچھیں بھی لمبی لمبی تھیں اور اس کی باچھوں کے اطراف لٹکتی رہتی تھیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی چمکدار آنکھوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کس قدر ذہین اور حاضر دماغ ہے۔ وہ ان تمام شمال مغربی علاقوں کے جغرافیہ کی پیمائش کرتا رہتا تھا اور جڑی بوٹیوں سے ہر بیماری کی دوا تیار کرتا تھا۔ جب مغلوں میں کسی بیماری کی وبا پھیلتی تھی تو وہ دواؤں سے ان کا علاج کرتا تھا۔ وہ صحت یاب ہوتے اور اس کی حکمت کے قائل ہو کر اس کی ہر بات مانتے تھے۔

چنگیز خان اس سے بہت متاثر تھا۔ جس طرح [illegible] اعظم کو ارسطو جیسا فلسفی ایک مشیر کی حیثیت سے مل گیا تھا۔ [illegible] طرح لیو چت سائی بھی مشیر کی حیثیت سے ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور خان اعظم اس کے ہر مشورے پر عمل [illegible] تھا۔

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر قبیلے کے بزرگوں، سرداروں، شامانوں اور نجومیوں سے کہا۔ "تم سب جانتے [illegible] کہ میں خان اعظم کا بہت ہی قابل اعتماد مشیر رہ چکا ہوں [illegible] نے دیکھا ہے، اس کی ہر بات پتھر کی لکیر ہوتی تھی۔ وہ [illegible] دیتا تھا وہ کرتا ضرور تھا۔ لیکن جب میں مشورہ دیتا تھا [illegible] کسی اقدام سے باز رہنے کو کہتا تھا تو وہ فوراً میری [illegible] لیتا تھا۔ کسی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے میری ہدایات [illegible] کرتا تھا۔ وہ گرم ملکوں میں مجھے سرد ہواؤں کی طرح [illegible] رکھتا تھا اور سرد موسم میں مجھے کمبل کی طرح لپیٹے [illegible] تھا۔ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا تھا۔"

اس نے ایک ذرا رک کر قبیلے کے بزرگوں [illegible] سرداروں کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا اس نے یہ حکم نہیں [illegible] کہ اس کی موت کے بعد کسی بھی اہم مسئلے پر مجھ سے [illegible] جائے پھر میں جو بھی مشورہ دوں، اس پر عمل کیا جائے؟"

ان سب نے کہا۔ "بے شک، ہمارے خان اعظم نے یہی حکم دیا تھا۔"

اس نے اپنی انگلیوں سے لانبی مونچھوں کو [illegible] ہوئے پوچھا۔ "کیا وہ میرا مشورہ سنتے ہی اپنے آباؤ [illegible] کے رسم و رواج کو بدل نہیں دیتا تھا؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "بے شک، مہذب [illegible] کے ساتھ چلنے کے لیے وہ تیرے مشورے کے مطابق قبیلے کے دستور بدل دیتا تھا۔"

وہ بڑے ہی مستحکم لہجے میں بولا۔ "آج بھی ایک [illegible] بدل دیا جائے۔ کسی زندہ انسان کو مار کر مرنے والے کے ساتھ قبر میں نہ سلایا جائے۔ خان اعظم کے مشیر کا یہ فیصلہ اور مشورہ ہے کہ شینا کو ہلاک نہ کیا جائے۔"

وہ سب خاموش تھے مگر اس کی یہ بات سنتے سب ہی کچھ نہ کچھ بولنے لگے۔ کوئی حمایت میں بول رہا تھا، کوئی مخالفت میں۔ قبیلے کے بزرگ اور جاودانی آسمان سے باتیں کرنے والے شامان اس چینی دانشور کے خلاف بولنے لگے۔

چغتائی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر گرجتے ہوئے کہا۔ "خاموش ہو جاؤ۔ یہ ہمارے خان بابا کا قابل اعتماد مشیر رہ چکا ہے۔ جو بھی اس کے خلاف بولے گا۔ میں اس کی گردن شانے سے اتار دوں گا۔"

سب ہی سہم کر خاموش ہو گئے۔ لیو چت سائی نے کہا۔ "ہم دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع کیوں دیں کہ ہم پہلے کی طرح وحشی، ان پڑھ اور غیر مہذب ہیں۔ اس قبیلے کے بڑے بوڑھے، نوجوان اور بچے سب ہی لکھنا پڑھنا سیکھتے رہتے ہیں۔"

اس نے سرداروں اور جانثاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم سب جنگیں لڑنے کے لیے مہذب ملکوں کی طرف جاتے ہو تو وہاں کتنے ہی مذہب کے لوگوں کو دیکھتے ہو۔ ہندوؤں، مسلمانوں اور عیسائیوں سے ملتے رہتے ہو۔ تم نے دیکھا ہے، سب کے مذہب الگ الگ ہیں۔ لیکن ایک خیال پر سب متفق ہیں کہ ان کا خدا یا بھگوان یا گاڈ کسی سے نہیں بولتا۔ آج تک اس کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ وہ خدا بڑی خاموشی سے اپنی دنیا کو جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔"

ایک بڑے سردار نے کہا۔ "بے شک، یہ تو درست کہتا ہے۔"

لیو چت سائی نے کہا۔ "تو پھر یہ بھی مان لو کہ ہمارے یہ قبیلے کے شامان جاودانی آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی آواز سنتے ہیں۔ جو خدا، بھگوان یا گاڈ ہے۔ وہ نہ کسی کی سنتا ہے، نہ کسی سے بولتا ہے۔ یہ شامان اور جادوگر ڈھونگی ہیں۔ طرح طرح کی باتیں بنا کر گرجتے ہوئے بادلوں سے اور کڑکتی ہوئی بجلیوں سے ڈراتے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کڑکتی ہوئی بجلیاں اور گرجتے ہوئے بادل ہمارے خدا نہیں ہیں اور نہ یہ خدا کا قہر بن کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ قدرتی معاملات ہیں۔ یہ بجلیاں اور یہ بادل ہر سال، ہر مہینے بدلتے ہوئے موسم کے مطابق رونما ہوتے ہیں۔"

اس نے قبیلے کے شامانوں اور جادوگروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جھوٹے اور فریبی ہیں۔ برسوں سے دن رات پیٹ بھرنے اور آرام سے رہنے کے لیے غیر مہذب قبیلوں کو دھوکا دیتے آئے ہیں۔ اب ہمیں ان کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ ان سے کہا جائے کہ اپنے جادو کی ہتھکنڈے ختم کریں اور محنت مزدوری کا کام کریں یا پھر اس قبیلے سے چلے جائیں۔"

اس بات پر سب ہی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ دھیمی آواز میں بولنے لگے۔ لیو چت سائی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں نے اپنا فیصلہ نہیں سنایا ہے۔ صرف مشورہ دیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب خان اعظم نہیں رہا۔ میرے مشوروں پر کون عمل کرے گا؟"

اس نے بات ادھوری چھوڑ کر خان اعظم کے تینوں بیٹوں کو دیکھا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ بڑے بیٹے چغتائی نے کہا۔ "اس معزز دانشور نے ہمارے خان بابا کو مہذب دنیا کا راستہ دکھایا ہے۔ یہ جب بھی کوئی بات کہتا ہے، وہ ہماری بہتری کے لیے ہوتی ہے۔ ہم اس کے ایک ایک مشورے پر عمل کرتے رہیں گے۔"

دوسرے بیٹے اوغدائی نے کہا۔ "یہ دانشور ہمارے باپ کی جگہ ہے۔ پہلے ہم اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر چلتے تھے اب اس کی انگلی پکڑ کر چلتے رہیں گے۔"

تیسرے بیٹے تولوئی نے کہا۔ "آئندہ ہم تینوں بھائیوں میں سے کسی ایک کو خان اعظم بنایا جائے گا اور ہم اس سلسلے میں لیو چت سائی سے مشورہ چاہتے ہیں۔"

وہ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی لانبی مونچھوں کو دو انگلیوں کی قینچی سے سہلاتے ہوئے بولا۔ "خدا تم تینوں جانشینوں کو ساری دنیا کی بادشاہت عطا کرے۔ یہ پورا قبیلہ جانتا ہے کہ تم تینوں میں کتنی محبت اور کس قدر اتحاد ہے؟ کہیں سے بھی کوئی دشمن آ کر تم میں پھوٹ نہیں ڈال سکتا۔ دولت کے لیے، زمین کے لیے اور عورتوں کے لیے باپ بیٹے سے اور بھائی بھائی سے لڑتا ہے مگر تم تینوں میں زن، زر، زمین کی ہوس نہیں ہے۔ تم متحد ہو کر اپنے پورے قبیلے پر حکمرانی کر سکتے ہو۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "لیکن یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ایک ملک یا ایک قبیلے کا ایک ہی بادشاہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ایک خان اعظم کا ہونا لازمی ہے۔"

اس نے ان تینوں کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ خان اعظم کے انتخاب میں جلدی نہ کی جائے۔ برس دو برس تک تینوں بھائی متحد ہو کر قبیلے کے حکمران بن کر رہیں۔ اس دوران میں یہ دیکھا اور پرکھا جائے گا کہ تینوں

میں سے کس نے زیادہ فتوحات حاصل کی ہیں؟ کس نے اپنے قبیلے کی شان و شوکت میں اور رعب و دبدبے میں اضافہ کیا ہے؟ پھر ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ ہمارا خان اعظم تینوں بیٹوں میں سے کسے ذہانت کے معاملات میں لائق سمجھتا تھا؟ کسے میدان جنگ کا سورما کہتا تھا اور کسے کہتا تھا کہ وہ مختلف قبیلوں کو متحد رکھنے اور انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنائے رکھنے کے ہتھکنڈے جانتا ہے؟"

دوسرے بیٹے اوغدائی نے کہا۔ "بے شک، یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم خان بابا کی عدم موجودگی میں اس کی فتوحات کو کہاں تک آگے بڑھا سکتے ہیں اور اپنے مغل خاندان کا نام کتنی دور تک روشن کر سکتے ہیں؟"

تیسرے بیٹے تولوئی نے پوچھا۔ "اب تو ہمیں یہ بتا کہ ہمارے خان بابا کی تدفین کہاں کی جائے؟"

اس نے کہا۔ "ہماری آبادی سے دور چراگاہوں کے اس پار طاقت کے پہاڑ برخان کالدون کی پہاڑیاں ہیں۔ ایک بار میں خان اعظم کے ساتھ وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ جگہ اسے بہت پسند ہے۔ یہاں سر بلند صنوبر کے درخت کے سائے ہیں۔ جب وہ مر جائے گا تو اس کے بوڑھے اور بے جان جسم کو یہاں بہت آرام ملے گا۔"

چنگیز خان کی میت کو وہاں پہنچایا گیا۔ پھر ایک بہت بڑے سایہ دار درخت کے نیچے زمین کھودی گئی۔ اس درخت کی جڑیں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جڑوں کو نہیں کاٹا۔ بلکہ اس کے نیچے زمین کھود کر وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ نصب کیا۔ وہاں چنگیز خان کی لاش کو لا کر بٹھایا گیا۔ پکا ہوا اناج اور گوشت ایک تلوار ایک کمان اس کا ایک جنگلی گھوڑا جو مر چکا تھا اس کی ہڈیاں سب ہی وہاں لا کر رکھی گئیں۔ اس کی زندگی میں کتنی ہی خوبصورت اور نازک بدن لڑکیاں اس کے آس پاس رہا کرتی تھیں۔ ناچ گا کر اس کا دل بہلایا کرتی تھیں۔ اب وہ پرانے سمور کے نمدے پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بولتی ہوئی اور ناچتی گاتی ہوئی لڑکیاں اس کے ساتھ نہیں تھیں۔

جب اس کی آخری رسوم ادا کی جا رہی تھیں تو وہاں سے بہت دور ھینا اپنے خیمے میں خوشی کے مارے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ خان اعظم کے تینوں بیٹوں نے اسے مردہ باپ کے ساتھ قبر میں جانے نہیں دیا تھا۔ اسے اپنے لیے بچا کر رکھ لیا تھا۔ آگے پتا نہیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟ وہ کس کے حصے میں آنے والی تھی؟ اب اسے کوئی فکر نہیں تھی۔ وہ

تبادل

بازار میں چھ بچوں نے ماں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ کبھی کوئی ایک بازو کھینچتے ہوئے چلاتا "مما.....!" کبھی کوئی دوسرا بازو جھنجوڑتے ہوئے منمناتا "مما.....!" کسی کی فرمائش جاری تھی اور کسی کی شکایت۔

آخر ماں نے تنگ آ کر غصے سے ڈانٹا "اب میں دس منٹ تک کسی کے منہ سے لفظ "مما" نہ سنوں۔"

چند سیکنڈ خاموشی رہی پھر ایک بچہ اس خاتون کی قمیص کھینچتے ہوئے بولا "مس! ذرا سنیے۔"

جادو دانی آسمان کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اسے ایک نئی زندگی ملی ہے۔

چنگیز خان کی قبر بند کر دی گئی۔ کچی مٹی کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے اچھی طرح دبا دبا کر ہموار کر دیا گیا۔ تابوت گاڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے جلا دیا گیا۔ وہاں پاس ہری بھری اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ ان جھاڑیوں کو اور کافور جلائے گئے۔ قبیلے کے سرداروں کو بتایا گیا کہ ان کے قبیلے کے مسلح سپاہی باری باری اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔ وہاں چاروں طرف پہرا رہے گا۔ کسی جانور کو قبر کھودنے نہیں دی جائے گی۔ جھاڑیاں اور درخت اتنے بڑے اور سایہ دار ہو جائیں گے کہ قبر چھپ جائے گی تو وہاں سے پہرا ہٹا لیا جائے گا۔

تمام قبیلوں کے بزرگوں اور سرداروں نے اس کے بعد لیو چت سائی سے پوچھا۔ "کیا اب چنگیز خان کی روح اس کے بدن سے نکل گئی ہوگی؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں، نکل چکی ہے۔"

انہوں نے پوچھا۔ "روح نکل کر کہاں گئی ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "اس کی روح مغل قبیلے میں سما گئی ہے۔"

مغل خاندان کے لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ خان اعظم کی روح نو دموں والے اس پرچم میں رہے گی، جو فوج کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ اس طرح خان اعظم موت کے بعد بھی ان کی رہنمائی اور حفاظت کرے گا۔

☆☆☆

لیو چت سائی خاندان خطا کے ایک شاہی خانوادے کی نسل سے تھا۔ وہ بڑی وفاداری سے چین کے کن خاندان کی خدمت انجام دیتا رہا تھا۔ اس وفاداری اور خدمت گزاری کے پیچھے سیاسی سازشیں چھپی ہوئی تھیں۔ لیو چت سائی انتہائی ذہین اور سازشی سیاستدان تھا۔ وہ کن شہنشاہ کا اعتماد حاصل کر کے اس کا قابل اعتماد مشیر بن گیا تھا۔ وہ اکثر اس شہنشاہ کو بہترین مشورے دیا کرتا تھا لیکن ایک آدھ مشورے ایسے بھی ہوتے تھے جو اندر ہی اندر اس کی جڑیں کھوکھلی کرتے رہتے تھے۔

وہ کن شہنشاہ سے اپنے خاندان خطا کی تباہی و بربادی کا انتقام لے رہا تھا۔ مغلوں نے بھی اس کے خاندان اور قبیلے پر حملے کیے تھے۔ اناج اور مویشیوں کے علاوہ ان کی حسین عورتوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ اس پہلو سے وہ دل ہی دل میں چنگیز خان سے بھی عناد رکھتا تھا۔ جب چنگیز خان نے کن شہنشاہ پر فتح حاصل کی۔ اسے اور اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر دیا تو اس دوران لیو چت سائی اپنی ذہانت سے اس خان اعظم کو متاثر کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کا مشیر خاص بن گیا۔

وہ جانتا تھا، چنگیز خان دشت سے نکل کر بیرونی ملکوں پر حملہ کرتا رہے گا تو مہذب دنیا سے متاثر ہوتا رہے گا۔ اس سے پہلے ہی وہ چنگیز خان کو اپنے تہذیبی اور اخلاقی مشوروں سے متاثر کرتا رہا۔ اس کی دہشت اور بربریت کو کم کرتے ہوئے اس گرم مزاج جنگجو کو نرم مزاج بناتا رہا۔

اس سازشی سیاستدان کی نظریں اس کے چاروں بیٹوں پر لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک سوتیلا اور ناجائز تھا۔ وہ جانتا تھا کہ آگے چل کر زیادہ سے زیادہ زمین کے لیے، دولت کے لیے اور زیادہ سے زیادہ حسین عورتیں حاصل کرنے کے لیے یہ آپس میں لڑیں گے، مریں گے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ اپنی سیاسی چالوں سے ان کے درمیان پھوٹ ڈالے گا۔ جس طرح اس کا خاندان تباہ و برباد ہوا، اسی طرح وہ مغل خاندان کو تباہ و برباد کرے گا اور ان کی آئندہ نسل کو دوسروں کا غلام بنا دے گا۔

سیاسی سازشیں کئی سالہ منصوبوں کے تحت پنپتی ہیں۔ وہ ایک دو دن میں نہیں کئی برسوں کے بعد اب کامیابی کے آثار دیکھ رہا تھا۔ اس کی شطرنج کی بساط پر چار بھائی تھے۔ ان میں سے ایک سوتیلا مر چکا تھا لیکن مرنے کے باوجود اپنی بیوہ کو متنازعہ بنا گیا تھا۔

ان تینوں کے درمیان اختلافات اور عداوتیں پیدا کرنی تھیں۔ پھر یہ کہ ان تینوں بھائیوں کی بیویاں تھیں۔ جو ملکہ بننے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ ان کا یہ خواب اسی وقت پورا ہوتا جب ان میں سے کسی ایک کا شوہر خان اعظم بن جاتا۔

یعنی صرف ھینا ہی نہیں۔ ان تینوں کی بیویاں بھی اس چینی سیاستدان کی شطرنج کا مہرہ بننے والی تھیں۔ یہ اس کا آزمودہ نسخہ تھا کہ عورتوں کی خواہشات اور جذبات سے کھیل کر بڑی بڑی حکومتوں کا تختہ کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام عورتوں کو اپنے قابو میں کرنے کے لیے اچھا خاصا وقت لگنے والا تھا۔ اسی لیے لیو چت سائی نے ان تینوں جانشینوں کو مشورہ دیا تھا کہ خان اعظم کے انتخاب میں جلدی نہ کریں۔ اگلے ایک دو برس تک تینوں بھائی متحد ہو کر حکومت کرتے رہیں۔ اس نے اپنا سیاسی کھیل کھیلنے کے لیے برس دو برس کی مہلت حاصل کی تھی۔

چنگیز خان نے آخری شادی اس وقت کی تھی۔ جب وہ بہت ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ بیماریاں اور کمزوریاں غالب آ گئی تھیں۔ ایسے وقت بھی ہوس رہتی ہے کہ کچھ ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ لیکن پہلو گرم کرنے کے لیے ایک نیا بدن ہونا چاہیے۔ وہ آخری بیوی بہت ہی کم سن اور نازک سی تھی۔ اس کا نام گولان تھا۔

ان تینوں بیٹوں نے باپ کی موت کے بعد اپنی سوتیلی ماؤں کو حکم دیا تھا کہ وہ آزاد ہیں۔ کسی سے بھی شادی کر کے اس کے ساتھ جا سکتی ہیں۔ لیکن جو سب سے چھوٹی گولان تھی۔ اس پر تینوں بیٹوں کا دل آ گیا تھا۔ باپ کی موت کے بعد گولان نہ ان کی ماں رہی تھی اور نہ ہی وہ اس کے بیٹے رہے تھے۔ آئندہ ان تینوں میں سے کوئی بھی اسے اپنے یورت میں لے جا کر رکھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ازدواجی زندگی گزار سکتا تھا۔

گویا ھینا کی طرح گولان بھی [illegible] تھی۔ آئندہ اس کے حصول کے لیے بھی تنازعہ ہو سکتا تھا۔ لیو چت سائی دیکھ رہا تھا، سمجھ رہا تھا کہ اور کتنی عورتیں اس کی آلۂ کار بن سکتی ہیں؟ تیسری عورت سیورقوقطنی تھی۔

سیورقوقطنی جتنا مشکل نام ہے۔ وہ عورت اتنی ہی مشکلات سے کھیلنے اور مشکلات پیدا کرنے کی عادی تھی۔ وہ چنگیز خان کے تیسرے بیٹے تولوئی کی بیوی تھی۔ وہ ترک نسل کی ایک دلیر اور ذہین عورت تھی۔ اس میں دشت کی عورتوں جیسی غیر معمولی قوت برداشت تھی۔

اس کے اندر ایک ہی بات گونجتی رہتی تھی کہ اسے مغل

قبیلے کی ملکہ بن کر حکومت کرنا ہے اور یہ تب ہی ممکن تھا جب اس کے شوہر تولوئی کو خان اعظم بنایا جاتا۔

اور ایسے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ کیونکہ تولوئی اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ دستور کے مطابق بڑا بیٹا ولی عہد ہوتا ہے۔ اگر وہ بڑا نا اہل ہو یا اسے موت آجائے تو پھر دوسرے بیٹے کی باری آتی ہے۔ تولوئی تیسرا اور آخری تھا۔ اس کی باری آنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

البتہ تینوں بیٹوں کے کارناموں کا حساب کیا جاتا تو تولوئی ان سب سے برتر ہوتا۔ کیونکہ اس نے چنگیز خان کے ساتھ رہ کر زیادہ جنگیں لڑیں تھیں اور زیادہ فتوحات حاصل کی تھیں۔ اس کے لیے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ زین پر ہی بیٹھے بیٹھے چھوٹے سے بڑا ہوا تھا۔ اپنے دونوں بھائیوں کے مقابلے میں تولوئی کی برتری یہ تھی کہ چنگیز خاں خطرناک سے خطرناک مہم کے لیے اسی کا انتخاب کیا کرتا تھا اور وہ اپنے خان بابا کے حفاظتی دستے کا سالار رہ چکا تھا۔ چنگیز خاں بڑی محبت سے اس بیٹے کو اپنا وفادار نوکر کہا کرتا تھا۔

سیورقوقطنی مایوس نہیں تھی۔ ایک دلیر فاتح کی حیثیت سے اس کے شوہر تولوئی کا پلڑا بھاری تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح اس چینی دانشور لیو چت سائی کو اپنی طرف مائل کرے اور تولوئی کو خان اعظم بنانے کے سلسلے میں اسے قائل کرے۔ اس طرح ملکہ بننے کا خواب پورا ہو سکے گا۔

لیو چت سائی جڑی بوٹیوں کے ذریعے دوائیں تیار کیا کرتا تھا۔ اس نے یہ ہنر کتنے ہی منگولوں کو بھی سکھایا تھا۔ ایک بار تولوئی بیمار ہوا تو وہ اس کا علاج کرنے کے لیے یورت میں آیا۔ سیورقوقطنی ایسے ہی موقع کے انتظار میں تھی۔ یورت میں ان تینوں کے سوا کوئی چوتھا نہیں تھا۔ وہ اس چینی حکیم اور دانشور سے بولی۔ "تولوئی اپنے تمام بھائیوں سے افضل اور برتر ہے۔ اس نے اپنے باپ کے ساتھ رہ کر بے شمار جنگوں میں دلیری اور جانبازی کا ثبوت دیا ہے اور ہمیشہ فتوحات حاصل کرتا رہا ہے۔ اگر تو چاہے تو اس کی حمایت میں بول کر اسے خان اعظم بنا سکتا ہے۔"

وہ دل ہی دل میں خوش ہوا۔ جسے اپنا آلۂ کار بنانا چاہتا تھا وہ خود ہی اس کے دام میں آرہی تھی۔ اس نے کہا۔ "میرے اور تیرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ تولوئی کے دل میں یہ خواہش نہیں ہے، یہ اپنے دونوں بھائیوں کو بہت چاہتا ہے۔ یہ کسی وقت بھی ان کے حق میں دستبردار ہو سکتا ہے۔ میں حمایت کروں گا تو بات نہیں بنے گی۔ پہلے اپنے شوہر کو راضی کر۔"

تولوئی بیماری کی حالت میں بھی اس قدر پی چکا تھا کہ مدہوش ہو کر بستر پر غافل پڑا تھا، ان کی باتیں نہیں سن رہا تھا۔ چینی دانشور نے کہا۔ "یہ پہلے جیسا جنگ باز نہیں رہا۔ بہت زیادہ پی کر مدہوش رہنے لگا ہے۔ پورے قبیلے میں اس کی مدہوشی کا چرچا ہے۔ سب ہی کہتے ہیں کہ اس کے منہ سے کھانا چھڑایا جا سکتا ہے لیکن شراب نہیں چھڑائی جا سکتی۔ میں ایسی حالت میں کس طرح اس کی حمایت کر سکتا ہوں؟"

وہ قائل ہو کر بولی۔ "تو درست کہتا ہے۔ میں اس کی شراب چھڑاؤں گی اور اسے سمجھاؤں گی کہ خان اعظم بننے کے لیے تیرے مشورے پر عمل کرتا رہے۔"

"ایک بات یاد رکھ۔ میں براہ راست اس سے بھی نہیں کہوں گا کہ یہ خان اعظم بننے کے لیے میری انگلی پکڑنے آئے۔ اگر ایسا کھل کر کہوں گا تو چغتائی اور اوغدائی اعتراض کریں گے۔ مجھے الزام دیں گے کہ میں ناانصافی کر رہا ہوں۔ لہٰذا میں تینوں میں سے کسی کی حمایت میں کھل کر نہیں بولوں گا۔ جب قرولتائی منعقد ہوگی تو میں اچانک تیرے شوہر کی حمایت میں بول کر اسے خان اعظم بنانے کا مشورہ دوں گا۔"

وہ وہاں سے جاتے ہوئے بولا۔ "تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ عورت بظاہر جنسی کمزور ہوتی ہے۔ اندر سے اتنی ہی طاقتور ہوتی ہے۔ تو نے دیکھا تھا کہ تیری ساس بورتائی نے کس طرح خان اعظم جیسے سنگدل انسان کو ساری زندگی اپنی مٹھی میں رکھا تھا۔ اپنے ناجائز بیٹے کے حق میں اس سے باتیں منوائی تھیں اور سگے بیٹوں کے برابر اس سوتیلے کو تمام حقوق دلوائی تھی۔ تو بھی اپنے شوہر کو مٹھی میں رکھ کر اسے بھائیوں کے خلاف بھڑکائے گی۔ ان کے درمیان اختلافات پیدا کرے گی تب ہی تولوئی کے دل میں خان اعظم بننے کی ضد پیدا ہوگی۔ پھر وہ اس عہدے کو حاصل کرنے کے لیے اپنے کسی بھائی کا لحاظ نہیں کرے گا۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔ میں اس سے آگے کچھ نہیں بولوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ یورت سے باہر چلا گیا۔ بڑی چالبازی سے سیورقوقطنی کو بھائیوں کے درمیان عداوتیں پیدا کرنے کا نسخہ بتا گیا۔ وہ مایوس ہو کر اپنے بیمار شوہر کو دیکھنے لگی۔ اس کی صحت پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ شراب اس کا لہو نچوڑ رہی تھی اور وہ پینے سے باز نہیں آتا تھا۔

پھر وہ دیکھتی آئی تھی کہ تینوں بھائی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ صرف محبت نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے پر اندھا اعتماد بھی کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی معاملے میں کسی سے سبقت لے جانا چاہتے تھے اور نہ ہی کسی بھی طرح کسی کا دل توڑتے تھے۔ یہ بات سمجھ میں آتی تھی کہ تولوئی اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے مقابلے میں کبھی خان اعظم بننا نہیں چاہے گا۔

وہ ڈوبنا نہیں جانتی تھی۔ پار اُترنے کے لیے تنکے کا بھی سہارا ڈھونڈ لیتی تھی۔ ابھی اس کی ایک اُمید باقی تھی۔ اس کا بڑا بیٹا منگو خان بچپن ہی سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنا اور ہتھیار چلانا سیکھتا رہا تھا۔ وہ اپنے باپ اور دادا کی طرح سفاک بے رحم اور جنگجو تھا۔ تینوں بھائیوں کی بے شمار اولادوں میں وہ سب سے آگے تھا۔ سیورقوقطنی اسے لکھنا پڑھنا سکھا رہی تھی۔ جنگی مہارت اور ذہانت کا مظاہرہ کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔

یہ آس بندھی تھی کہ تولوئی آئندہ خان اعظم نہ بن پایا تو کچھ عرصے بعد اس کے بیٹے منگو خان کو یہ عہدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ آئندہ چغتائی اور اوغدائی' خان اعظم بنتے رہیں کوئی بات نہیں لیکن ان پر جلد ہی زوال آ سکتا ہے۔ انہیں موت آ سکتی ہے۔ وہ جنگ میں مارے جا سکتے ہیں۔ بیماریاں ان پر غالب آ سکتی ہیں۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے اور بہت کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ وہ خود تعلیم یافتہ نہیں تھی۔ سیاستدان بھی نہیں تھی لیکن جانتی تھی کہ اقتدار حاصل کرنے کے لیے سیاسی سازشیں لازمی ہوتی ہیں۔

ان تینوں میں سے دوسرے بھائی اوغدائی کی بیوی کا نام تورا کینہ تھا۔ پہلے وہ ایک دشمن قبیلے کے سردار کی بیوی تھی۔ اوغدائی نے اس سردار کو قتل کرنے کے بعد اسے حاصل کیا تھا۔ اگرچہ وہ بہت خوبصورت اور پرکشش تھی لیکن اسکی بد صورتی یہ تھی کہ وہ حلق پھاڑ کر بولتی تھی۔ بہت ہی بدمزاج اور لڑاکا تھی۔ اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لیے دوسروں کو چیرنے اور پھاڑ ڈالنے والی خاتون تھی۔

وہ بھی پورے قبیلے کی ملکہ بننے کے لیے بے چین تھی۔ اپنے شوہر اوغدائی سے لڑتی رہتی تھی۔ اس سے کہتی تھی۔ "تجھے اپنے بھائیوں سے اتنی محبت کیوں ہے؟ کیا تو اتنا نادان ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ جو بھی خان اعظم بنے گا' اس کے سامنے تجھے سر جھکانا ہوگا' گھٹنے ٹیکنے ہوں گے۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنی ہوگی؟ ایک طرح سے تو غلام بن کر رہ جائے گا۔ لیکن مجھے کنیز بننا گوارا نہیں ہے۔ میں خان اعظم چنگیز خاں کی بہو ہوں اور اسی شان و شوکت سے ملکہ بن کر یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ تجھ سے کہہ دیتی ہوں کہ خان اعظم بننے کے لیے اپنے بھائیوں پر سبقت حاصل کر۔ نیچے گرنے والی بات نہ کر..."

اوغدائی نے کہا۔ "کبھی کبھی نیچے گرنے سے زمین پر پڑا ہوا سونا مل جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ گرنے سے نقصان ہو، اکثر فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ کیا میں تیرے حسن و شباب کا خزانہ حاصل کرنے کے لیے تیرے آگے نہیں گرتا ہوں؟"

وہ بڑے فخر سے مسکرانے لگی۔ وہ بولا۔ "اگر یہ درست ہے تو ہم تینوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے آگے گرنے دے۔ ہماری فکر نہ کر۔"

"کیوں نہ کروں؟ تو کچھ نہیں چاہتا مگر میں تو ملکہ بننا چاہتی ہوں۔ کیا تو میری یہ خواہش پوری نہیں کرے گا؟"

"ہم تینوں بھائیوں نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔ چینی دانشور لیو چت سائی اور قبیلے کے تمام بڑے سردار جو فیصلہ کریں گے۔ اسی کے مطابق کوئی خان اعظم بن جائے گا پھر اسی کی بیوی ملکہ کہلائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تیرے ہی نصیب میں لکھا ہو۔ تجھے صبر کرنا اور انتظار کرنا چاہیے۔"

ان تینوں میں سب سے بڑا چغتائی تھا۔ اس نے دو شادیاں کی تھیں اور دونوں بیویاں مر چکی تھیں۔ یوں تو داشتاؤں کی کمی نہیں تھی لیکن اولاد پیدا کرنے کے لیے بیویاں لازمی ہوتی ہیں۔ اب وہ باپ کی چھوڑی ہوئی بیوہ گولان سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ گولان بہت ہی کمسن اور نازک اندام تھی۔ تینوں بھائیوں کا دل اس پر آیا ہوا تھا۔

ایک رات ان تینوں بھائیوں نے الاؤ کے گرد بیٹھ کر فیصلہ کیا۔ اوغدائی نے کہا۔ "فیصلہ کیا کرنا ہے؟ دستور کے مطابق چغتائی ہم سے بڑا ہے۔ پہلا حق اسی کا بنتا ہے۔ ہم گولان سے دستبردار ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ جو تھیں وہ مر چکی ہیں۔ اس لیے چغتائی کو اس سے شادی کرنی چاہیے۔"

ان تینوں بھائیوں کے درمیان محبت اعتماد اور اتحاد بے مثال تھا۔ اسکول کی درسی کتابوں میں بچوں کے لیے ایک کہانی شائع ہوتی ہے۔ اس کہانی میں ایک بوڑھا باپ اپنے چار لڑکوں کو بلا کر کہتا ہے۔ "یہاں چار لکڑیاں رکھی ہوئی ہیں۔ انہیں یکجا کر کے رسی سے باندھو۔"

انہوں نے رسی سے باندھ کر لکڑیوں کا ایک گٹھا بنا دیا۔ باپ نے کہا۔ "تم میں سے جو شہ زور ہے۔ وہ ان لکڑیوں کو توڑ کر دکھائے۔"

ان لڑکوں نے انہیں باری باری توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے پھر باپ نے کہا۔ ”رسی کھول دو اور ان لکڑیوں کو الگ کرو۔“

انہوں نے رسی کھول دی۔ چاروں لکڑیاں الگ الگ ہو گئیں۔ باپ نے کہا۔ ”اب ان میں سے ایک لکڑی اٹھا کر توڑو۔“

سب نے ایک ایک لکڑی اٹھا کر توڑی تو وہ چاروں آسانی سے ٹوٹ گئیں۔ باپ نے کہا۔ ”یہ سبق حاصل کرنے کا مقام ہے۔ جب تک تم تینوں متحد رہو گے تب تک کوئی دشمن تم میں سے نہ کسی کو توڑ سکے گا‘ نہ کبھی شکست دے سکے گا اور نہ کبھی ذلیل کر سکے گا۔ تم تینوں دنیا کے بڑے بڑے شہزوروں پر غالب آتے رہو گے۔ اگر تمہارا اتحاد ٹوٹے گا۔ تم ایک دوسرے سے الگ ہو جاؤ گے تو کمزور سے کمزور دشمن بھی تم میں سے ایک ایک کو بڑی آسانی سے زیر کرلے گا۔“

دراصل چنگیز خاں نے اپنے تینوں سگوں بیٹوں کو یہ نصیحت کی تھی۔ یہ تاریخی کتابوں میں درج ہے کہ چغتائی‘ اوغدائی اور تولوئی نے اپنے باپ کی اس نصیحت کا بہت اثر لیا تھا اور ساری عمر ایک دوسرے سے اتنے متحد رہے تھے اور ایک دوسرے پر ایسا اندھا اعتماد کرتے تھے کہ لیو چت سائی جیسا شاطر سیاستدان بھی ان کے اتحاد کو کبھی نہ توڑ سکا۔

کہتے ہیں‘ جس پتھر کو فولادی ہتھوڑے نہیں توڑ سکتے‘ اسے عورت اپنی باتوں سے‘ گھاتوں سے اور اداؤں سے توڑ ڈالتی ہے۔ یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ ان تینوں کی بیویاں اور ان کی زندگی میں آنے والی حسین عورتیں بھی ان کے درمیان عداوت کا بیج نہ بو سکیں۔

ان تینوں کے درمیان الاؤ کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ بھنا ہوا گوشت کھا رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ باہر الاؤ کی گرمی تھی اور اندر شراب کی آگ اتر رہی تھی۔ اس کے باوجود ان کے دماغ گرم نہیں تھے۔ وہ بڑے سکون سے اپنے الجھے ہوئے معاملات پر گفتگو کر رہے تھے اور کسی بھی معاملے میں ایک دوسرے سے متفق ہو کر کسی مثبت نتیجے پر پہنچ رہے تھے۔

خان اعظم بننے اور اقتدار حاصل کرنے کا مسئلہ بہت ہی سنگین تھا۔ حکمران بننے کے لیے بیٹا باپ کا اور بھائی بھائی کا خون بہاتا ہے لیکن وہ تینوں ایک دوسرے کے خلاف اقتدار کی ہوس میں مبتلا نہیں تھے۔ وہ کسی بھی بھائی کی برتری قبول کرنے کو تیار تھے۔ اب لے دے کر شینا کا معاملہ رہ گیا تھا۔ فی الوقت وہ ایک انار تھی اور تین بیمار تھے۔

تولوئی نے ایک چلو شراب الاؤ پر چھینکی تو شعلے اور زیادہ بھڑکنے لگے۔ اس نے بڑے بھائی سے کہا۔ ”چغتائی...! کیا تو نے اسے دور ہی دور سے دیکھا ہے یا اس کا ہاتھ بھی پکڑا ہے؟ بات اس سے آگے بڑھی ہو تو ہم سے نہ چھپانا۔“

اوغدائی نے کہا۔ ”وہ الاؤ کی آگ سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اس کے بارے میں کھل کر بات ہونی چاہیے۔“

چغتائی نے لوہے کی سلاخ سے الاؤ کی آگ بھڑکاتے ہوئے کہا۔ ”پتا نہیں اس میں کیسی عجیب و غریب سی کشش ہے۔ ہم سب اسی کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ میں ایک بار اس کے یورت میں گیا تھا۔ اس وقت وہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی۔ سوچ رہی تھی کہ اسے بھی ہلاک کر کے ہمارے خان بابا کے ساتھ دفن کر دیا جائے گا۔“

دونوں نے تائید میں سر ہلایا۔ ”ہاں، ان دنوں وہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔“

چغتائی نے کہا۔ ”جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ رو رہی تھی۔ رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ میں چاہوں تو اسے ہلاکت سے بچا سکتا ہوں۔ پھر وہ ایک دم سے مجھ پر آ کر میری گردن میں بانہیں ڈال کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔“

وہ شراب کے پیالے کو فضا میں بلند کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جاودانی آسمان کی قسم... ان لمحات میں یوں لگا جیسے الاؤ کے شعلے مجھ سے لپٹ گئے ہیں۔ وہ ایک تھی مگر اس نے چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا تھا۔ میں ایسے شکنجے میں آ گیا تھا جہاں سے ہم رہائی پانا بھول جاتے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس میں کتنی گرمی اور کتنی نرمی تھی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا چیز ہے جو میرے بازوؤں میں آ کر سما گئی ہے۔ وہ یوں سحر زدہ کر رہی تھی کہ عقل کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ میں سیکڑوں دشمنوں کو قتل کرنے اور اسیر کرنے والا اس کا اسیر ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر باہر آقا بابا کی میت رکھی نہ ہوتی تو شاید میں بھٹکتا ہوا بہت دور نکل جاتا۔ شکر ہے اس سے پہلے ہی میں اس کے یورت سے نکل آیا۔“

اوغدائی نے گوشت کے ساتھ ہڈیاں بھی چباتے ہوئے کہا۔ ”بے شک، وہ ایسی ہی ہے جیسا کہ تو بیان کر رہا ہے۔“

تولوئی نے پوچھا۔ ”تو کیسے جانتا ہے کہ وہ چغتائی کے بیان کی طرح بھڑکتی ہے اور بھڑکا دیتی ہے؟“

”میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ ہو چکا ہے۔“

دونوں نے چونک کر اوغدائی کو دیکھا۔ وہ دو گھونٹ پینے کے بعد بولا۔ ”ہمارا وہ سوتیلا (جوجی) بہت ہی خوش نصیب تھا۔ دنیا کی سب سے حسین اور جذباتی فساد پیدا کرنے والی عورت اس کے حصے میں آئی تھی۔ ایک بار میں اس کے یورت میں گیا۔ تو وہ مجھ سے بھی لپٹ کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ کس طرح میرے اندر فساد برپا کر رہی تھی؟ جی چاہتا تھا کہ جذبات کی ایک ایک تحریک سے لڑتا رہوں اور اسے کچلتا چلا جاؤں لیکن ایسے وقت آقا بابا کی روح میرے اندر کہہ رہی تھی‘ یہ غلط ہے تم تینوں بھائی اس حسینہ کے طلب گار ہو۔ اتحاد اور اتفاق رائے کو نہ بھولو، پہلے فیصلہ کرو کہ یہ کس کے حصے میں آئے گی؟“

اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ پھر کہا۔ ”میں ان لمحات میں بڑی مشکل سے اپنے جذبات کو کچلتا ہوا اس یورت سے باہر آ گیا پھر اس شعلہ بدن کی تنہائی میں آج تک نہیں گیا۔“

تولوئی نے کچھ سوکھی لکڑیاں الاؤ میں ڈالیں۔ پھر ان پر ایک چلو شراب اچھالی۔ وہ لکڑیاں بھی آگ پکڑنے لگیں۔ شعلے بھڑکانے لگیں۔ چغتائی نے کہا۔ ”میں نے اور اوغدائی نے اپنی بات کہہ دی۔ اب تو بول......؟“

تولوئی نے کہا۔ ”میں کیا بولوں...؟ تم دونوں اس کے یورت میں گئے تھے۔ لیکن میں نہیں گیا۔ اس نے اپنی ایک خادمہ کے ذریعے مجھے بلایا تھا... ہائے۔ ہائے تم میں سے کوئی سوچ سکتا ہے کہ وہاں کیا ہوا ہوگا؟“

اوغدائی نے کہا۔ ”ظاہر ہے۔ وہ تم سے بھی لپٹ گئی ہو گی۔ اس نے تم سے بھی اپنے بدن کا تعارف کرایا ہوگا؟“

تولوئی نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔ ”نہیں برادر...! ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں اپنے باپ کی قسمت لے کر آیا ہوں۔ ہمارا باپ اسے پا لینا چاہتا تھا۔ مگر صرف اسے چھو لینے کی بھی حسرت پوری نہ کر سکا۔ یہی میرے ساتھ ہوا۔ اس کے یورت میں گیا۔ اس کے بالکل قریب بیٹھا رہا مگر ہاتھ نہ لگا سکا۔“

چغتائی نے حیرانی سے پوچھا۔ ”ایسی کیا بات ہو گئی تھی؟“

”وہ بہت چالاک ہے۔ اسے میری یہ کمزوری معلوم ہو گئی کہ میں انگوری شراب کا رسیا ہوں۔ میرے وہاں پہنچتے ہی اس نے میرے سامنے ایک پیالہ رکھ دیا۔ میں نے وہ پیالہ خالی کیا تو اس نے دوسرا بھر دیا۔ تم دونوں حسن و شباب کے رسیا ہو۔ لیکن میں تو انگور کی بیٹی پر مرتا ہوں۔ میں نے تیسرا پیالہ بھی خالی کر دیا۔ چوتھے کی نوبت نہیں آئی۔ میری بیوی وہاں پہنچ گئی۔ مجھے پکڑ کر وہاں سے اپنے یورت میں لے آئی۔“

وہ دونوں ہنسنے لگے۔ وہ ان کے ساتھ ہنستے ہوئے بولا۔ ”مجھے بھی اپنی حالت پر ہنسنا چاہیے۔ بہت زیادہ پینے کے بعد میری بیوی مجھے سنبھالتی ہے اور کوئی سنبھال نہیں پاتا۔“

وہ تینوں ہنس رہے تھے۔ آہنی سیخوں پر چڑھی ہوئی بوٹیاں نوچ رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ پھر تولوئی نے کہا۔ ”شینا کا معاملہ رہ گیا۔ وہ کس کے حصے میں آئے گی؟“

اوغدائی نے کہا۔ ”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کسی بھی چیز پر پہلے بڑے بھائی کا حق ہوتا ہے۔ وہ چغتائی کے حصے میں آئے گی۔“

چغتائی نے کہا۔ ”ہرگز نہیں۔ گولان جیسی کمسن اور نازک اندام لڑکی میرے حصے میں آ رہی ہے۔ پھر بھی یہی کہہ رہے ہو کہ شینا پر پہلے بڑے بھائی کا حق ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ میں بڑا بھائی بن کر تم دونوں سے ناانصافی کر رہا ہوں۔ ہر چیز میں ہی چھین کر لے جاؤں گا تو کیا تم دونوں میرا منہ تکتے رہو گے؟ ہمیشہ میری فرمانبرداری کرتے رہو گے اور مجھے شرمندہ کرتے رہو گے؟“

تولوئی نے کہا۔ ”زیادہ جذباتی نہ بن .... جاودانی آسمان نے تجھے بڑا بنایا ہے تو ہم کیا کریں؟ اس دنیا میں حسین عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ گولان اور شینا نہ سہی‘ ہمیں اور بہت سی مل جائیں گی۔“

چغتائی نے کہا۔ ”میں صاف صاف کہتا ہوں کہ گولان مل گئی یہی بہت ہے۔ مجھے شینا کی آرزو نہیں ہے۔“

وہ دونوں اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ اس نے پوچھا۔ ”کیوں ہنس رہے ہو؟“

اوغدائی نے کہا۔ ”ابھی تو نے کہا تھا کہ جب وہ تیری گردن میں بانہیں ڈال کر کمبل بن گئی تھی‘ تو تُو اس کے لیے پاگل ہو رہا تھا اور اب ہماری خاطر اس سے دستبردار ہونا چاہتا ہے؟“

وہ بولا۔ ”جب عورت بہکاتی ہے تو مرد بہکتا ہے۔ جب وہ بہکانے والی تیری ہو جائے گی تو بھی اس کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آئے گا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بھی چیز اچھی لگے اسے ہم حاصل کر لیں... نہیں... کبھی ہمیں کسی چیز کو ٹھکرانا بھی چاہیے‘ کبھی اس سے کترانے‘ کبھی نفس کو مارنے اور کبھی صبر کرنے کی مشق بھی کرنی چاہیے۔“

تولوئی نے کہا۔ ''تو ہاتیں بہت اچھی کرتا ہے لیکن کوئی ایسی بات کر کہ کسی کا حق بھی نہ مارا جائے اور سب کی دلی مرادیں بھی پوری ہو جائیں۔''

دونوں بھائیوں نے اسے چونک کر دیکھا۔ وہ بولا۔ ''کیا ضروری ہے کہ ھینا جس کے بھی حصے میں آئے' وہ اسے اپنی بیوی بنا کر رکھے؟ کیا داشتہ بنا کر نہیں رکھا جا سکتا؟ اور داشتہ کسی ایک کی نہیں ہوتی۔ کبھی اس کے پاس چلی آتی ہے اور کبھی اُس کے پاس چلی جاتی ہے۔''

چغتائی نے کہا۔ ''تولوئی! کیا بات ہے تیری...؟ جو بات میرے دل میں تھی اور زبان پر نہیں آ رہی تھی۔ وہ تُو نے کہہ دی۔''

تولوئی نے اوغدائی کو دیکھا پھر پوچھا۔ ''تو کیا کہتا ہے؟''

اوغدائی نے کہا۔ ''جوجی کی موت کے بعد ہم نے اس کے تمام مال اسباب پر قبضہ جما لیا۔ اس کی بیوہ کو بھی ہم تینوں کے پاس باری باری رہنا چاہیے۔ سوتیلے کا مال لوٹنے کی خوشی سب سے الگ ہی ہوتی ہے۔''

لیوچت سائی یہ نہیں جانتا تھا کہ تینوں بھائیوں نے الاؤ کے گرد بیٹھ کر اپنے تمام اہم معاملات کو کس طرح نمٹانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس قبیلے کے عظیم المرتبت آقا چنگیز خاں کی تدفین کے بعد دو سال گزر چکے تھے اور وہ چینی سیاسی بازی گر دیکھ رہا تھا کہ اس طویل عرصے میں ان بھائیوں کے درمیان ایک ذرا سا بھی اختلاف پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگرچہ وہ تینوں ایک دوسرے سے سیکڑوں میل دور اپنے اپنے علاقوں میں رہتے تھے۔ لیکن ان کی روحیں جیسے ہمہ وقت ایک ساتھ رہتی تھیں۔ کوئی بھی اہم مسئلہ ہوتا اور ایک بھائی پکارتا تو باقی دو بھائی دوڑے چلے آتے تھے۔

اس سیاسی شطرنج کے کھلاڑی نے دیکھا تھا کہ ھینا کو پہلے چغتائی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ پھر ایک ماہ بعد معلوم ہوا کہ اسے اوغدائی کے پاس پہنچا دیا گیا ہے۔ اس کے ایک ماہ بعد یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر تولوئی کے پاس پہنچا دی گئی تھی۔

ان تینوں کا اتحاد اور آپس کا اتفاق بتا رہا تھا کہ دنیا کی حسین سے حسین عورت ان تینوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر پائے گی۔ ان کی بیویاں بھی ملکہ بننے کی سازشیں کر رہی تھیں لیکن تینوں بھائیوں کے اتحاد نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ وہ مایوس ہو رہی تھیں۔ اب اس انتظار میں تھیں کہ آئندہ لیوچت سائی اور دوسرے بڑے بڑے سردار اُن تینوں میں سے کس کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں؟ اور کسے خان اعظم بناتے ہیں؟

اس چینی سیاست دان نے اپنی زندگی میں پہلی بار تماشا دیکھا تھا کہ ایک بھائی اقتدار کے لیے دوسرے بھائی سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ان میں سے ہر ایک پیچھے ہٹ رہا تھا اور حکومت کے لیے اپنے دو بھائیوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ اس چینی نے ایک دوسرے پر قربان ہونے والے ایسے بھائی پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں تسلیم کر لیا کہ وہ اپنی زندگی میں انہیں کبھی توڑ نہیں سکے گا۔ اس مغل خاندان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اس کا مقصد پورا نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں یہ طے کر لیا کہ خان اعظم کا انتخاب ہونے کے بعد وہ اپنے وطن چین واپس چلا جائے گا۔

چنگیز خاں نے بیٹوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وقتاً فوقتاً قرولتائی طلب کرتے رہیں۔ اس طرح آپس میں مل بیٹھ کر ایک دوسرے کی خامیاں دور کرتے رہیں اور خوبیوں کو اپناتے رہیں۔ اس نے بیٹوں سے اور تمام سرداروں سے کہا تھا۔ ''جو کوئی دور کے ملکوں میں جا کر رہ جائے گا اور قرولتائی میں حاضر نہیں ہو گا' وہ تمہارے لیے ایک ایسا پتھر ہو گا جو گہرے پانی میں جا کر گر جاتا ہے پھر کسی کو نظر آتا ہے اور نہ ہی کسی کے کام کا رہتا ہے۔ اسے اپنا دشمن سمجھنا اور اس کی سرکوبی کرنا۔

چنگیز خاں کی موت کے دو برس بعد 1229ء میں تولوئی نے پہلی قرولتائی طلب کی۔ ان دنوں سردی کا موسم جا رہا تھا اور بہار کی آمد آمد تھی۔ ہر سو رنگ برنگے پھول کھل رہے تھے اور دور تک ہریالی نظر آتی تھی۔ ہر خطے سے سردار، سپہ سالار اور مسلح جانباز چلے آ رہے تھے۔ شمالی چین سے جانباز جنگجو سوار آنے لگے۔ پھر دریا سے تاتاریوں کا ہجوم رواں دواں تھا۔

خان اعظم کے سوتیلے اور ناجائز بیٹے جوجی کی بیوہ ھینا بانجھ تھی۔ اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ لیکن دوسری بیویوں سے کئی اولادیں تھیں۔ اس سوتیلے کے بڑے بیٹے کا نام باطو خان تھا۔ اسے دشت روس کا مغربی علاقہ دیا گیا تھا۔ باطو خان بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ قرولتائی میں شامل ہوا تھا۔

چغتائی جنوب مغربی پہاڑوں میں التائی سے لے کر ثمر قند تک پھیلے ہوئے علاقوں کا مالک تھا۔ وہ الغوروں' قراختائیوں اور ترکمان سرداروں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سب لانبے لانبے لہردار لبادے پہنے ہوئے تھے۔ ان کا سامان قطار در قطار اونٹوں پر لدا ہوا تھا اور تبت کے یاک ان کی گاڑیوں کو کھینچ رہے تھے۔

چغتائی کے معنی ہیں جنگی گھوڑا۔ وہ اپنے باپ چنگیز خاں کی طرح پکا خانہ بدوش تھا۔ وہ کم بولتا تھا اور فطرتاً بہت ہی بے رحم اور سفاک قاتل تھا۔ صرف اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی سے بولتا تھا اور ان کے آگے سر جھکاتا تھا۔ دوسرے سردار اس کے سامنے سر اٹھا کر بولنے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ لوگ اس کے غصے سے ڈرتے تھے۔

دوسرا بھائی اوغدائی دریائے یی لی کے ساحلی علاقوں کا مالک تھا۔ وہ کرغیز اور ترک قبائلیوں کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے تمام ساتھی بھیڑیے کی کھالیں پہنے ہوئے تھے۔ جن پر چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ ان کی گاڑیوں پر سونے کا ملمع تھا۔ وہ سب بڑے طمطراق سے بڑے شاہانہ انداز میں آئے تھے۔

جب تمام لوگ آ پہنچے تو تیسرے بھائی تولوئی نے تمام قبیلوں کی میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ سیکڑوں گاڑیوں پر شراب کے بڑے بڑے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ گوشت کھانے کے لیے ہزاروں بکرے اور بھیڑیں منگوائی گئی تھیں۔ وہاں چالیس دنوں تک کھیل تماشے ہوتے رہے۔ ناچ گانے کی محفلیں منعقد ہوتی رہیں۔ صبح کو گھڑ دوڑ ہوتی تھی۔ شام کو اکھاڑوں میں پہلوان کشتیاں لڑتے تھے۔ رات کو دور دور تک الاؤ اور مشعلیں اس طرح روشن ہوتی تھیں کہ میلوں دور تک تاریکیاں چھٹ جاتی تھیں اور جیسے دن نکل آتا تھا۔

رات سے صبح تک کھیل تماشے جاری رہتے تھے۔ بازی گر طرح طرح کے تماشے دکھاتے تھے اور حسین عورتیں ناچتی گاتی رہتی تھیں۔ تمام مغل مستی کے عالم میں جھوم جھوم کر شراب پیتے رہتے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی بیویاں اور داشتائیں بھی تھیں لیکن تمام عورتوں کو قرولتائی سے دور رکھا جاتا تھا۔

چغتائی کی بیوی ئولان' اوغدائی کی بیوی تورا کینہ اور تولوئی کی بیوی سیور قوقطنی اپنے اپنے یورت میں بے چینی سے اپنے اپنے شوہروں کا انتظار کرتی تھیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھیں کہ خان اعظم بنانے کے سلسلے میں کیا فیصلے کیے جا رہے ہیں؟ انتظار کرتے کرتے رات سے صبح ہو جاتی تھی۔ پھر صبح کے وقت وہ سب شراب کے نشے میں چُور اپنے جانبازوں کے سہارے چل کر یورت میں آتے تھے پھر بستر پر گر کر خراٹے لینے لگتے تھے۔

چالیس دنوں کے بعد لیوچت سائی نے تولوئی سے کہا۔ ''کل آٹھویں چاند کی بائیسویں تاریخ ہے اور یہ خان اعظم کو منتخب کرنے کے لیے بڑا ہی مبارک دن ہے لیکن...''

تولوئی نے پوچھا۔ ''لیکن کیا...؟''

چینی دانشور نے کہا۔ ''تم میں سے کوئی بھائی خان اعظم بننے کو تیار نہیں ہے۔ سب ایک دوسرے کے کاندھوں پر اقتدار کا بوجھ ڈال رہے ہیں۔''

دوسری صبح قرولتائی کا اجلاس شروع ہوا تو تولوئی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر تمام حاضرین کے روبرو بڑی تمکنت سے کہا۔ ''جاودانی آسمان نے ہمارے باپ کو خان اعظم کا مرتبہ دیا تھا۔ آنجہانی خان اعظم کے حکم کے مطابق اب میرے دو بڑے بھائیوں میں سے کسی ایک کو یہ عہدہ سنبھالنا ہے۔''

کسی کو سردار بنانے کے سلسلے میں مختلف سرداروں کی مختلف رائے تھی۔ کئی سردار تولوئی کے حق میں تھے۔ کیونکہ چنگیز خاں نے اپنی زندگی میں فوج کا بیشتر حصہ تولوئی کے سپرد کیا تھا۔ سب ہی کہتے تھے کہ وہی سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ جنگ جیتنے کے ہتھکنڈے اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔

دوسرے کہتے تھے کہ چغتائی سب سے بڑا ہے۔ اس میں جنگلی ہرن جیسی پھرتی ہے۔ ایک سردار نے کہا۔ ''جب خان اعظم چنگیز خاں اپنے بیٹوں کے مزاج اور کارناموں پر غور کرتا تھا تو کہتا تھا کہ خاقان کی ذمے داریاں بہت ہوتی ہیں۔ اوغدائی کو چاہیے کہ وہ میرے بعد یہ فرائض انجام دے۔''

چنگیز خان کی یہ بات پتھر کی لکیر تھی۔ کوئی اس حکم سے پھر نہیں سکتا تھا۔ چغتائی اور تولوئی اپنی جگہ سے اٹھ کر اوغدائی کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے پھر اس کے دونوں بازوؤں کو پکڑ لیا۔ تولوئی نے کہا۔ ''چل اٹھ رے بیل.....''

اس بات پر سب ہنسنے لگے۔ اوغدائی کسی ریچھ کی طرح وزنی تھا۔ اپنی جگہ سے اٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ ایک اور سردار نے آ کر اس کی کمر پکڑ لی۔ ان سب نے مل کر اسے اٹھایا پھر بھورے چمڑے کی ایک مسند پر لا کر اسے بٹھا دیا۔ چغتائی بڑا بھائی تھا۔ اس نے اس کے روبرو ہو کر اپنی ٹوپی اتاری اپنی پیٹی ڈھیلی کر کے اسے کاندھے پر ڈالا پھر تین مرتبہ اوغدائی کے آگے دو زانو ہوا۔ اس کے بعد گرجتی ہوئی آواز میں اعلان کیا۔ ''اوغدائی...! اب تو خاقان ہے۔ ہمارا خان اعظم ہے۔''

یہ اعلان سنتے ہی تمام سرداروں نے اپنی ٹوپیاں اور پیٹیاں اتاریں اور نئے خاقان کے سامنے سر جھکایا۔ سب نے باری باری بلند آواز سے کہا۔ ''ہم اپنے نئے خان اعظم

اوغدائی کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔“

ہزاروں سرداروں نے اپنی اپنی تلواریں نکال کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ چھن تلوار بازی کا مظاہرہ کرتے رہنے سے لوہے سے لوہا ٹکرا رہا تھا۔ رات کے وقت دور دور تک چنگاریاں اُڑ رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آتش بازی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہو۔ سب ہی خوشی سے چیخ رہے تھے۔ ادھر سے ادھر اچھلتے ہوئے رقص کے انداز میں تلوار سے تلوار ٹکراتے جا رہے تھے۔ چنگاریاں اُڑاتے جا رہے تھے۔

بے شمار شامانوں اور جادوگروں نے اوغدائی کے آگے سجدہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اے خاقان! ہم انصاف چاہتے ہیں۔ چینی دانشور لیو چت سائی نے ہمیں جھوٹا اور دھوکے باز کہہ کر ہماری توہین کی ہے۔ ہم تیرے آباد اجداد کے زمانے سے معزز سمجھے جاتے ہیں لیکن اس چینی دانشور نے ہمیں سب کی نظروں سے گرا دیا ہے۔ ہم اپنے پیشے کا تحفظ اور سلامتی چاہتے ہیں۔“

اس قبیلے کے سب ہی لوگ توہم پرست تھے۔ انجانی اور ان دیکھی قوتوں سے ڈرتے تھے۔ مشرقی اور مغربی ممالک کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے مہذب لوگوں سے ملنے جلنے کے باوجود ضعیف الاعتقاد تھے۔ کبھی کوئی بیماری ان کے قبیلے میں ایک وبا کی طرح پھیلتی یا ان پر ناگہانی مصیبتیں آتیں اور ایسے میں بادل گرجتے اور بجلیاں کڑکتیں تو وہ یہی سمجھتے کہ کوئی پُراسرار قوت ان سے ناراض ہو گئی ہے اور ان پر عذاب نازل کر رہی ہے۔ ایسے وقت شامان اور جادوگر اپنے منتروں سے اور عجیب و غریب حرکتوں سے انہیں قائل کرتے تھے کہ وہ جادوائی آسمان سے باتیں کرتے ہیں اور ان کی مصیبتوں کو دور بھگاتے رہتے ہیں۔

اوغدائی اور اس کے دونوں بھائی بھی توہم پرست تھے۔ انہوں نے شینا کو باپ کے ساتھ دفن ہونے سے بچانے کے لیے عارضی طور پر چینی دانشور کی یہ بات مان لی تھی کہ ایک زندہ عورت کو ہلاک کر کے مردے کے ساتھ دفن نہیں کرنا چاہیے۔ شامانوں اور جادوگروں کے وحشیانہ طور طریقوں پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

ادھر شامان اور جادوگر اس چینی دانشور کے خلاف بولتے رہے تھے کہ وہ اپنا الو سیدھا کر رہا ہے، پچھلے دو برس سے پورے مغل قبیلے کو ایک خان اعظم کے وجود سے محروم کرتا آ رہا ہے اور تینوں بھائیوں کے پیچھے رہ کر در پردہ حکومت کر رہا ہے۔ اپنی الٹی سیدھی باتوں سے قائل کر کے آباد اجداد کے پرانے دستور بدل رہا ہے۔

اوغدائی نے اعلان کیا۔ ”ہم اپنے آباد اجداد کے دستور اور طور طریقے تبدیل نہیں کریں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ لیو چت سائی جڑی بوٹیوں کے ذریعے ہمارا کامیابی سے علاج کرتا ہے۔ ہماری بیماریاں دور کرتا ہے اور ہمیں بہت اچھے مشورے دیتا ہے مگر آیندہ ہم اپنے پرانے اصول اور طور طریقے بدلنے والے مشورے تسلیم نہیں کریں گے۔ قبیلے کے درجنوں شامان اور جادوگر پہلے کی طرح معزز کہلائیں گے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے منتروں سے اور جادوائی آسمان سے باتیں کر کے بیماریوں کو بھگاتے ہیں اور ہمیں ناگہانی مصیبتوں سے نجات دلاتے ہیں۔“

ان شامانوں اور جادوگروں کی کھوئی ہوئی عزت اور وقار بحال ہو گیا۔ توہم پرستی کے معاملات میں لیو چت سائی کو ان کے سامنے کم تر بنا دیا گیا۔ چنگیز خاں کی زندگی میں اس چینی دانشور کی جو عزت تھی، احترام تھا، وہ اب نہیں رہا تھا۔

وہ تینوں بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے اور مغل خاندان کو تباہ و برباد کر دینے کی سازشوں میں ناکام رہا تھا۔ اس نے اوغدائی کے سامنے حاضر ہو کر کہا۔ ”اب تو خان اعظم بن چکا ہے۔ اس قبیلے کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ میں اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔“

اوغدائی نے انکار میں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہرگز نہیں! ہمارے باپ نے ہم تینوں بھائیوں کے لیے اور پورے قبیلے کے لیے جتنی بہترین چیزیں چھوڑی ہیں ان میں سے ایک تو ہے۔ ہم تجھ سے محروم ہونا نہیں چاہیں گے۔ تو مرتے دم تک ہماری خدمت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس لیے یہیں رہے گا۔“

اس نے دست بستہ عرض کیا۔ ”خان اعظم کا حکم اٹل ہے۔ میں انکار کی جرأت نہیں کروں گا۔ لیکن اپنے خاندان والوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ تجھ سے التجا کرتا ہوں، مجھے کم سے کم ایک ماہ کی چھٹی دے دے۔“

اوغدائی نے اسے ایک ماہ کی چھٹی دے دی۔ وہ فوراً ہی اپنا بوریا بستر باندھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی شامانوں اور جادوگروں نے اپنے منتروں سے اور مختلف جادوئی ہتھکنڈوں سے یہ کوششیں شروع کر دیں کہ اس جانے والے کی واپسی کا راستہ کسی بھی طرح بند ہو جائے۔ انہوں نے متحد ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ موجودہ خان اعظم کو اپنے منتروں اور جادوئی کمالات سے متاثر کریں اور زیادہ سے زیادہ اس کا اعتماد حاصل کرتے رہیں۔

ایسے وقت اوغدائی نے شامانوں کو بلا کر کہا۔ ”میں نے کل رات خواب میں خان بابا کو دیکھا ہے۔ وہ ایک ویرانے میں تنہا دکھائی دیے۔ ان کے سامنے شراب کے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ خالی تھے اور آس پاس عورتوں کے ملبوسات پڑے ہوئے تھے۔ لیکن انہیں پہننے والی عورتیں نہیں تھیں۔ وہ تنہا دشت میں بھٹک رہے تھے۔ مجھے بتاؤ اس خواب کا مطلب کیا ہے؟“

شامانوں نے سر جوڑ کر ایک دوسرے سے مشورہ کیا۔ پھر ایک نے کہا۔ ”اے خاقان...! تیرے باپ کی قبر میں اس کی پسند کی ہر چیز پہنچائی گئی ہے۔ اس کی تلوار، کمان، نیزے، ڈھال اور اس کے پسندیدہ جانور کا گوشت، حتیٰ کہ شراب بھی پہنچائی گئی ہے مگر تو نے خواب میں شراب کے مٹکے خالی دیکھے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جو مٹکا رکھا گیا تھا۔ وہ خالی ہو چکا ہے اور تیرا باپ پیاسا ہے۔“

دوسرے شامان نے کہا۔ ”بے شمار ناچنے گانے والی حسین عورتیں تیرے باپ کے آس پاس رہا کرتی تھیں لیکن اب وہ قبر میں بالکل تنہا ہے۔ اس کا دل بہلانے والی کوئی نہیں ہے۔“

تیسرے شامان نے کہا۔ ”شینا تیرے باپ کی حسرت تھی۔ وہ اسے کبھی حاصل نہ کر سکا اور اس کی موت کے بعد تم تینوں بیٹوں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھ لیا۔ کوئی بات نہیں۔ باپ کے مال پر بیٹوں کا حق ہوتا ہے۔ اب بیٹوں کا فرض ہے کہ وہ باپ کی حسرت پوری کریں۔ ورنہ وہ قبر میں تنہا رہے گا اور اس کی روح دشت میں تنہا بھٹکتی رہے گی۔“

اوغدائی نے پوچھا۔ ”تم لوگوں کا مشورہ کیا ہے؟ کیا شینا کو اس کی قبر میں پہنچایا جائے؟“

ایک شامان نے پوچھا۔ ”کیا تم تینوں اس سے دستبردار ہونا چاہو گے؟“

اوغدائی نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ ”نہیں! پتا نہیں، اس کم بخت میں کیسی کشش ہے کہ اسے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ میرے دونوں بھائی بھی اس سے دستبردار ہونا نہیں چاہیں گے۔“

ایک شامان نے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔ تم تینوں ہی اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی چیز کو سنبھال رہے ہو۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس کی قربانی دی جائے پھر تو نے خواب میں عورتوں کے ایک نہیں کئی ملبوسات دیکھے ہیں جو تیرے باپ کے آس پاس پڑے ہوئے تھے لیکن انہیں پہننے والیاں نہیں تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ تیرے باپ کی روح ایک نہیں کئی ناچنے گانے والیوں کے بغیر دشت میں بھٹک رہی ہے۔ ہمارے بزرگ خان اعظم کی قبر میں جن چیزوں کی کمی ہے۔ وہ چیزیں وہاں پہنچا دے۔ اس کی بھٹکنے والی روح کو قرار آ جائے گا۔“

یہ سن کر اس نے سب سے پہلا یہ حکم صادر کیا کہ چنگیز خان کی برسی ہے لہٰذا اس سلسلے میں ماتمی ضیافت کی جائے گی۔ ہر شخص کے سامنے اُبلا ہوا گھوڑے کا گوشت، بکرے اور بھنا ہوا گوشت، گھوڑیوں کا دودھ اور شراب پیش کی جائے گی۔

پھر اس نے حکم دیا کہ اس کی باپ کی روح کو خوش کرنے کے لیے چالیس حسین کنواری لڑکیاں پیش کی جائیں۔ انہیں رنگا رنگ ریشمی لباس اور بیش قیمت جگمگاتے ہوئے زیورات پہنائے جائیں۔

اور یہ بھی حکم دیا کہ پچاس گاڑیوں میں شراب کے مٹکے رکھ کر اس کے باپ کی قبر کے پاس پہنچائے جائیں۔ حکم کے مطابق اس کے سامنے چالیس کنواری لڑکیوں کو زرق برق لباس میں جگمگاتے ہوئے زیورات کے ساتھ پیش کیا گیا۔ وہ اپنے باپ اور اپنے دونوں بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ عیاش تھا۔ حسین اور پرشباب لڑکیوں کو دیکھ کر للچانے لگتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی یہی حالت تھی۔ وہاں ایسی کتنی ہی لڑکیاں تھیں جو اس کی عیاش فطرت کو پکار رہی تھیں جیسے للکار رہی تھیں کہ آؤ اور ہمیں چھو کر دیکھو۔

اس کا جنون کہہ رہا تھا کہ ان میں دو چار لڑکیوں کو اٹھا کر اپنے یورت میں لے جائے لیکن وہ سب اس کے باپ کے نام سے لائی گئی تھیں۔ وہ باپ کی امانت میں خیانت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے منہ پھیر کر ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”ان سب کو برخان کالدون لے چلو۔“

اس کے باپ خان اعظم کو برخان کالدون کے مقام پر ایک گھنے درخت کی جڑوں کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر قربانی کی رسم ادا کی گئی۔ تینوں بھائیوں نے حکم دیا کہ شراب کے مٹکے اتار کر اس کے باپ کی قبر کے اطراف رکھے جائیں اور قبر پر شراب کا چھڑکاؤ کیا جائے۔

تمام لڑکیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ناچنا گانا شروع کریں تاکہ اس کے باپ کا دل بہلتا رہے۔ اس وقت وہ بیچاری لڑکیاں نہیں جانتی تھیں کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آیندہ پیش آنے والے حالات کا علم انسان کو نہیں دیا۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہونے لگے کہ آیندہ کس دن کس گھڑی موت آنے والی ہے یا کوئی جان لیوا حادثہ پیش آنے والا ہے تو ایسا وقت آنے سے پہلے ہی وہ

میت سے مرجائے گا۔ اس کی عمر جتنی لکھی گئی ہے۔ اتنی عمر گزار نہیں پائے گا۔

ان لڑکیوں کو قربان ہونا تھا۔ لیکن اپنی بدبختی سے انجان رہنے کے باعث اتنا تو ہورہا تھا کہ وہ آخری لمحات میں ہنس رہی تھیں، بول رہی تھیں اور ناچتے ناچتے گا رہی تھیں۔ یوں آخری لمحات میں زندگی کی مسرتوں کو گلے لگا رہی تھیں۔ پھر ان تینوں بھائیوں نے اپنے اپنے نیام سے تلواریں نکالیں۔

اوغدائی نے گرجتی ہوئی آواز سے کہا۔ ''بس بہت ہو چکا۔ اب انہیں خان بابا کے پاس پہنچاؤ۔''

سپاہیوں نے تلواریں اور کلہاڑیاں نکال لیں۔ لڑکیوں نے یہ منظر دیکھا تب ان کی سمجھ میں آیا کہ انہیں چنگیز خاں کی قبر پر کیوں لایا گیا ہے؟ وہ گھوڑے دوڑاتے ان کی طرف آرہے تھے۔ وہ رونے لگیں۔ چیخیں مار کر ادھر ادھر بھاگنے لگیں مگر بھاگ کر کہاں جاسکتی تھیں؟ وہ وحشی تو اپنے شکار کو دوڑا دوڑا کر مارتے تھے۔ ایسے وقت دلی اور روحانی مسرتیں حاصل کرتے تھے اور مست ہوکر ''ہو ہو... ہا ہا...'' کی آوازیں نکالتے رہتے تھے۔ تلواروں کے ایک ایک وار سے نازک بدن کٹ رہے تھے جو کنواریاں سیج پر پھول کی طرح کھلنے والی تھیں۔ ان کی ہڈیاں کلہاڑیوں کی ضربوں سے ٹوٹ رہی تھیں۔ وہ بڑے آرام سے انہیں آگے آگے بھگا کر اور مزے لے کر ہلاک کررہے تھے۔

وہ تینوں بھائی بھی انہیں ہلاک کرتے ہوئے بہت لطف حاصل کررہے تھے۔ اپنے باپ کی روح کو خوش کررہے تھے۔ اوغدائی نے اس قتل گاہ میں ایک انتہائی حسین و جمیل لڑکی کو دیکھا۔ اسے وہ قردلتائی میں بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کے لیے پہلے ہی نیت ڈانواں ڈول ہوچکی تھی۔ وہ اس کی طرف گھوڑا دوڑاتے ہوئے جانے لگا۔ ایسے وقت اس لڑکی نے اپنے گریبان کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر لباس کو پھاڑ ڈالا۔ اوپر سے برہنہ ہوگئی۔

اوغدائی ایک دم سے گڑبڑا گیا۔ اس پر تلوار کا ہاتھ مارنا بھول گیا۔ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنی بے باکی سے اپنے بدن کا تعارف پیش کرے گی۔ وہ تعارف تو کیا' تمہید سے بھی آگے نکل چکی تھی۔ جوانی کی آدھی کتاب کھول چکی تھی۔

اس نے تلوار کو نیام میں رکھ کر گھوڑے کی لگام موڑی۔ پھر جھک کر اس لڑکی کو ایک بازو سے اٹھا کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اس بھیڑ سے دور نکلتا چلا آیا۔ بدنصیب لڑکیوں کی چیخ و پکار اور قاتلوں کی 'ہو ہو ہاہا' کی آوازیں دور ہوتی جارہی تھیں۔

وہ گھوڑے پر سوار ہوکر جب بھی کہیں جاتا تو اس کا محافظ دستہ پیچھے پیچھے ضرور آتا تھا۔ اس نے بہت دور نکل آنے کے بعد گھوڑے کو روکا۔ اس لڑکی کو ہری بھری گھاس پر پھینکتے ہوئے گھوڑے کی لگام موڑتے ہوئے اپنے جانبازوں کو دیکھا۔ وہ سب کچھ فاصلے پر رک گئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''یہ لڑکی خان بابا کے نام سے لائی گئی تھی۔ اسے میں لے آیا ہوں۔ میں نے باپ کی امانت میں خیانت کی ہے۔ اس کی تلافی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ فوراً یہاں سے واپس جاؤ اور کسی بھی قبیلے سے دو لڑکیاں لاکر اس کی جگہ قربان کرو۔ اس طرح خان بابا کی روح کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہے گی۔''

وہ سب حکم کی تعمیل کے لیے واپس چلے گئے۔ اس نے گھوڑے سے اُتر کر لڑکی کو بڑے اشتیاق سے بڑے جذبوں سے دیکھا۔ وہ ہری بھری گھاس پر دستر خوان کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''تم لڑکیاں کیا ہوتی ہو؟ جب تک حاصل نہ کرو' دوسری عورتوں سے الگ کوئی دوسری دنیا کی مخلوق دکھائی دیتی ہو۔ جب تک حاصل نہیں ہوتیں تب تک ہمارے شوق کو بھڑکاتی رہتی ہو۔ ہماری مردانگی کو للکارتی رہتی ہو۔ تُو نے تو ایسے للکارا ہے ایسے بھڑکایا ہے کہ میں اپنے باپ کا مال اٹھا کر لے آیا ہوں۔''

وہ اس کے پاس آکر گھاس پر گر پڑا۔ لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی مسکراہٹوں سے اور اپنی اداؤں سے اس کے شوق کو بھڑکاتی رہی۔ اسے اطمینان ہوگیا تھا کہ اس نے بروقت بے لباس ہوکر بے حیا بن کر اپنی عمر بڑھالی ہے۔

وہ حد سے زیادہ عیاش تھا اور حد سے زیادہ شراب پینے کا عادی تھا۔ پہلے اس کی حرم میں [illegible] لڑکیاں تھیں۔ اب ان کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ اس کی کوئی رات خالی نہیں رہتی تھی۔ اس کے باوجود اس کی طاقت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ مغل کھلی چراگاہوں میں رہ کر گوشت اور شراب کے علاوہ جڑی بوٹیاں کھا کر گویا جنگل کے شیروں کی طرح طاقتور رہتے کہ جیسے کبھی زوال نہیں آتا۔

چنگیز خان نے مغلوں کو آئندہ زندگی گزارنے کے لیے کتنے ہی قوانین قلم بند کروائے تھے۔ ان قوانین کو یاسا کہا جاتا تھا۔ اس خان اعظم نے کہا تھا کہ میرے بعد میری اولاد میری نسلیں یاسا کی پابندیاں کرتی رہیں گی تو گیارہ ہزار سال تک جاودانی آسمان ان کا نگہبان رہے گا اور انہیں طاقت اور امداد فراہم کرتا رہے گا۔

یاسا کی رو سے ہر مغل کے لیے یہ حکم تھا کہ اگر کسی کے سامنے کھانا کھائیں تو اسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کریں۔ اگر کوئی مغل سوار ہوکر کسی جگہ پہنچے اور لوگ کھانا کھا رہے ہوں تو اس کا حق ہے کہ وہ گھوڑے سے اتر کر کسی کی اجازت کے بغیر اور کسی روک ٹوک کے بغیر ان سے اپنا کھانا مانگ لے یا چھین لے۔

چونکہ وہاں سال بھر سرد موسم رہتا تھا اور کئی کئی ماہ تک برف باری ہوتی رہتی تھی۔ اس لیے وہ لوگ غسل نہیں کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ کپڑے دھوئے نہ جائیں اور ان کپڑوں کو اس وقت تک پہنا جائے۔ جب تک وہ کپڑے پھٹ کر چیتھڑوں میں بدل نہ جائیں۔ یہ حکم ان کی پرانی روایت یاد دلانے کے لیے بھی تھا۔ اب تو وہ گرم ملکوں میں جاکر غسل بھی کرتے تھے اور چیتھڑوں کے بھاری بھرکم لباس اتار کر ہلکے پھلکے لباس بھی پہننے لگے تھے۔ جب تک وہ غسل نہیں کرتے تھے تب تک بہت ہی گندے رہتے تھے۔ ان کے لباسوں سے اور جسموں سے ناقابل برداشت بدبو کے بھبکے اٹھتے رہتے تھے۔

یاسا کی رو سے اگر کسی عورت پر بجلی گرتی تو اس عورت کے سارے افراد کو تین سال کے لیے جلاوطن کردیا جاتا تھا۔ ایک رسم کے مطابق جب وہ دو جلتے ہوئے الاؤ کے درمیان سے گزرتے تھے تب انہیں واپسی کی اجازت ملتی تھی۔

کسی کو بھی بڑے بڑے خطابات اختیار کرنے اور اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی جو خطاب انہیں دیا جاتا تھا' اسی خطاب سے انہیں مخاطب کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ خان اعظم بھی اپنے پیدائشی نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب اسے خاقان کہتے تھے۔

اگر کسی شخص پر کسی طرح کا الزام ہوتو اسے اپنے گناہ گار یا بے گناہ ہونے کا اعلان کرنا پڑتا تھا۔ اسے خود اپنے لیے فیصلہ صادر کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اگر بعد میں پتا چلتا کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط تھا تو اسے دروغ گوئی کے جرم میں سزائے موت دی جاتی تھی۔

ایک مرتبہ چغتائی اور اوغدائی دونوں نشے میں مست تھے۔ انہوں نے نشے کی ترنگ میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جائیں گے۔ گھڑ دوڑ کے اس مقابلے میں چغتائی اپنے بھائی سے آگے نکل گیا اور اوغدائی ہار گیا۔

شام کو جب نشہ اترا تو چغتائی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے نشے کی حالت میں خان اعظم کو مقابلے کی دعوت دی تھی اور اس مقابلے میں اسے شکست دی تھی۔ اس طرح اس نے خان اعظم کی توہین کی تھی۔ وہ اس غلطی کو سمجھ رہا تھا کہ اس نے اپنے بھائی کے رتبے کی تحقیر کی ہے۔

وہ تمام رات سوچتا رہا کہ اس نے نشے میں ایسی غلطی' ایسا جرم کیوں کیا؟ اب اسے یقیناً خود ہی سزا پانا چاہیے۔ وہ صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے اپنے سپاہیوں اور اپنے نوکروں کے ساتھ اوغدائی کے خیمے کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔

اوغدائی نے خیمے سے باہر آکر حیرانی سے دیکھا۔ چغتائی کا سر برہنہ تھا اور اس کی پیٹی اس کے کاندھے پر پڑی ہوئی تھی، اس نے حیرانی سے پوچھا۔ ''برادر! تم ایسے حال میں کیوں آئے ہو؟''

اس نے کہا۔ ''کل میں نے تیری توہین کی ہے۔ پہلے تو تجھے گھڑ دوڑ کے لیے للکارا۔ پھر تجھ سے آگے نکل کر خود کو برتر ثابت کرنے کا جرم کیا ہے۔ اب تو مجھے ہی نہیں' میرے بیٹوں کو' میرے سپاہیوں کو اور میرے نوکروں کو بھی لاٹھیوں سے مار سکتا ہے اور موت کی سزا دے سکتا ہے۔''

اوغدائی نے آگے بڑھ کر کہا۔ ''احمقانہ باتیں نہ کرو' تُو میرا بڑا بھائی ہے۔ اس وقت ہم نشے میں تھے اور گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ اس وقت میں خان اعظم نہیں تھا۔ تیرا چھوٹا بھائی تھا۔ تیرے پاؤں کی دھول تھا۔ تُو نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ تجھے کوئی سزا نہیں ملے گی۔''

اگرچہ اسے کوئی سزا نہیں ملی۔ پھر بھی اس نے اوغدائی کے آگے گھٹنے ٹیک کر سر کو جھکایا اور اسی گھوڑوں کا تحفہ پیش کیا پھر کہا۔ ''تُو اپنے سپاہیوں کو حکم دے کہ وہ پورے قبیلے میں گشت کریں اور یہ اعلان کریں کہ تُو نے میری غلطی کو میرے جرم کو معاف کیا ہے اور میری جان بخشی ہے۔ اس طرح لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ خان اعظم کے بڑے اور سگے بھائی کو بھی غلطیوں کی سزا مل سکتی ہے۔ چونکہ اسے معافی دی گئی ہے۔ اس لیے وہ رشتے میں بڑا ہونے کے باوجود اپنے خاقان کو سجدہ کررہا ہے۔''

وہ تینوں بھائی پیار و محبت اور اتحاد و اتفاق کے حوالوں سے اس قدر مضبوط ستون تھے کہ کوئی دشمن انہیں کسی پہلو سے بھی کمزور نہیں کرپاتا تھا۔ یوں مغل خاندان بڑھتا اور پھیلتا جا رہا تھا اور اپنی طاقت کا لوہا منواتا جارہا تھا۔ وہ جس ملک کی طرف رخ کرتے تھے، وہاں اتحاد کی برکت سے فتح و کامرانی حاصل کرتے تھے۔ وقت گزرتا جارہا تھا اور ان کی اولادیں جوان ہوتی جارہی تھیں۔

اوغدائی زیادہ شراب پینے کے باعث ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جڑی بوٹیوں کے ذریعے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ لیکن اسے شامانوں پر زیادہ بھروسا تھا اور شامانوں نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے اندر سے بیماری کے آسیبوں کو نکال کر باہر پھینک دیں گے۔

ایک شامان اونچے پہاڑی ٹیلے پر جاودانی آسمان سے باتیں کرنے کے لیے چلا گیا۔ دوسرے شامان خیمے کے آس پاس بیٹھ کر ڈھول بجانے لگے۔ وہ چشمے سے پانی بھر کر لاتے تھے اور منتر پڑھ پڑھ کر اس خیمے پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے تھے۔ کنواریوں کے بال کاٹ کر ان بالوں سے یورت کے اندر جھاڑو دیتے تھے۔ یہ تاثر دیتے تھے کہ بُری بلاؤں کو جھاڑو مار کر باہر نکال رہے ہیں۔

پھر اس شامان نے پہاڑی ٹیلے سے واپس آ کر کہا۔ ''جاودانی آسمان سے بات ہو چکی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہمارا خاقان جس انسان کو سب سے زیادہ چاہتا ہے یا جس جانور کو ایک عرصے سے پال رہا ہے اگر اسے زہریلی شراب پلائی جائے۔ اس کی قربانی دی جائے تو ہمارے خاقان کو شفا حاصل ہو گی۔''

زہر کا پیالہ تیار کیا گیا اور پوچھا گیا کہ اوغدائی سب سے زیادہ کسے چاہتا ہے؟ وہ کس رشتے دار یا کس دوست کی یا کس جانور کی قربانی دینا چاہے گا؟

اوغدائی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تولوئی نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ''میں جانتا ہوں اور قبیلے والے بھی جانتے ہیں کہ اوغدائی سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں اپنے خاقان بھائی کو مرنے نہیں دوں گا۔''

یہ کہتے ہی اس نے زہر کا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگا لیا پھر اس سے پہلے کہ چغتائی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتا' اس نے غٹا غٹ سارا زہر اپنے حلق سے اتار لیا۔ اس کے بعد چکرا کر زمین پر گرنے لگا۔ بڑے بھائی نے آ کر اسے سنبھالا۔ اسے بستر پر لا کر لٹایا۔ اس وقت تک اس کی روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔

اس کے کچھ روز بعد اوغدائی رفتہ رفتہ صحت یاب ہونے لگا۔ شامان بہت خوش تھے۔ ان کی ساحری کا بھرم رہ گیا تھا۔ انہوں نے اوغدائی سے کہا۔ ''اے خاقان...! تجھے نئی زندگی مبارک ہو۔ تیرے بھائی نے تیرے حصے کی موت پی لی ہے۔''

اسے اپنے بھائی کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ وہ صحت یاب ہونے کے بعد غم غلط کرنے کے لیے پھر پینے لگا۔ چغتائی نے ایک لوہے کے برتن میں شراب رکھی تھی۔ کچھ روز بعد اس نے اوغدائی کے سامنے وہ شراب پھینک دی۔ پھر اس برتن کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھ! یہ برتن زنگ آلود ہو گیا ہے۔ شراب ایسی خبیث شے ہے کہ لوہے کو بھی زنگ لگا دیتی ہے۔ پھر سوچ کہ تیرے جگر اور پھیپھڑوں کو کیا حال ہو گا؟''

بڑے بھائی نے بہت اچھی مثال دے کر اسے سمجھایا تھا۔ وہ متاثر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے شراب کم کر دی۔

سیورقوقطنی اپنے شوہر تولوئی کا ماتم کر رہی تھی۔ اسے ماتمی لباس میں دیکھ کر اوغدائی کا دل دُکھتا تھا۔ وہ شرمندہ تھا کہ اس کی خاطر تولوئی اپنی بیوی کو بیوہ بنا کر چلا گیا ہے۔ اس نے قوقطنی سے کہا۔ ''اگر میں اس وقت ہوش میں ہوتا تو کبھی تولوئی کو زہر پینے نہ دیتا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ اب کیا کر سکتا ہوں؟ جو تیرا جی چاہے مجھ سے مانگ لے۔ میں تجھے دینے سے انکار نہیں کروں گا۔''

وہ بولی۔ ''بیویاں اپنے شوہروں سے محبت کرتی ہیں۔ لیکن میں تو تولوئی سے عشق کرتی تھی۔ اس نے تیرے لیے اپنا گھر برباد کیا۔ تیرے لیے اپنی جان دے دی۔''

وہ بولا۔ ''ٹھیک کہتی ہے۔ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں۔ ایک بھائی کے لیے میری محبت کو آزمانا چاہتی ہے تو مجھ سے میری جان مانگ' میں ابھی دے دوں گا۔''

قوقطنی نے پوچھا۔ ''کیا میں جو مانگوں گی وہ دے گا؟''

''تو مانگ کر دیکھ۔ میں زبان سے نہیں پھروں گا۔ تیری طلب کی ہوئی چیز میرے اختیار میں ہو گی تو ضرور دوں گا۔''

''وہ چیز تیرے اختیار میں ہے۔''

''ایک اور بات ہے۔ اگر وہ چیز میں کسی کو دے چکا ہوں تو پھر تجھے نہیں دے سکوں گا۔ اچھی طرح سوچ کر مطالبہ کر۔''

''میرا خیال ہے کہ وہ چیز تو نے کسی کو نہیں دی ہے۔ ابھی تیرے اختیار میں ہے۔''

''تو پھر صاف صاف بول... کیا چاہتی ہے؟ وہ تیرے نام ہو جائے گی۔''

''میں چاہتی ہوں کہ تو اپنے بعد میرے بیٹے منگو کو خان اعظم کے لیے نامزد کرے اور اس کا اعلان بھی کرے۔''

''یہ تو نے کیسا مطالبہ کیا ہے؟ کیا یہ نہیں جانتی کہ میرے بعد بڑا بھائی چغتائی اس عہدے کا حق دار ہے؟''

''جانتی ہوں۔ تیری عمر درازی کی دعا مانگتی ہوں تو ہزاروں سال جیے لیکن تیرے بعد اس کی باری آنے تک چغتائی بہت بوڑھا ہو چکا ہو گا۔ اس پر تو ابھی سے بڑھاپا طاری ہو چکا ہے اور وہ بہت کم گھڑ سواری کرتا ہے۔ خاقان کی ذمے داریاں سنبھال نہیں سکے گا۔''

''پھر بھی ہمارے جد امجد یاسا کی رو سے اور تمام سرداروں کی حمایت سے وہی خان اعظم بنے گا۔''

سیورقوقطنی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے ذرا دور جاتے ہوئے کہا۔ ''تو میرے مطالبے کو ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ یاسا کی رو سے موجودہ خان اعظم اپنی موت سے پہلے کسی کو بھی نامزد کر سکتا ہے۔ تُو تمام سرداروں کے سامنے تحریری طور پر میرے بیٹے منگو کو خان اعظم کے لیے نامزد کر سکتا ہے۔''

اس نے کہا۔ ''قوقطنی...! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جو چیز میں کسی کو دے چکا ہوں۔ اب وہ تجھے نہیں دے سکوں گا۔''

وہ اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تو اپنے بیٹے تویوق کو نامزد کر چکا ہے؟ جو کہ بہت ہی لاغر اور کمزور ہے اور ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ''نہیں، میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ خان اعظم کی بھاری ذمے داریاں ایک بیمار اور کمزور کے کاندھے پر ڈال دوں۔ میں نے تویوق کے بیٹے اپنے پوتے شیرامون کو نامزد کیا ہے۔''

''تو جھوٹ کہتا ہے۔ مجھے ٹال رہا ہے۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تُو یہاں کے بڑے بڑے سرداروں سے پوچھ سکتی ہے۔ وہ تجھے بتائیں گے کہ میں اس سلسلے میں اپنا تحریری بیان دے چکا ہوں۔''

سیورقوقطنی نے اسے ناگواری سے دیکھا پھر کہا۔ ''تو خوامخواہ میرے قربان ہو جانے والے شوہر کا احسان کیوں مان رہا ہے؟ اور دکھاوے کے لیے کیوں کہتا ہے کہ ہمارے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے؟ تو بولتا بہت ہے مگر کرتا کچھ نہیں ہے۔''

ایسے وقت اوغدائی کی بیوی تورا کینہ خیمے میں داخل ہوئی۔ اس نے سیورقوقطنی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''ہم دونوں ہی تولوئی کی قربانی کے عوض تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن تُو دشمن ہے۔ اپنا مطالبہ منوا کر میرے بیٹے اور میرے پوتے کا حق مارنا چاہتی ہے۔''

وہ بولی۔ ''دشمن تو تم لوگ ہو۔ یاسا کی رُو سے سب سے چھوٹے بیٹے کو خان اعظم بنایا جاتا ہے۔ میرا تولوئی اپنے باپ (چنگیز خان) کے ساتھ بیس بائیس جنگیں لڑ چکا تھا اور تنہا سپہ سالار رہ کر بھی کئی جنگیں جیت چکا تھا۔ اس کا باپ تمام سرداروں سے کہا کرتا تھا کہ یہ چھوٹا بیٹا میرا جانشین ہے لیکن خان اعظم کی موت کے بعد تم لوگوں نے سازش کی اور اوغدائی کو مغل قبیلے کا مالک و مختار بنا دیا۔''

وہ پاؤں پٹخ کر جاتے ہوئے بولی۔ ''میرے شوہر کے ساتھ جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن میں اپنی اولاد کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دوں گی۔''

وہ خیمے کے پردے کو ایک جھٹکے سے پھاڑتی ہوئی اپنے لیے راستہ بناتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو تورا کینہ نے اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ ''یہ بہت خطرناک ہے۔ میرے بچوں کے خلاف زہر اگلتی رہے گی اور موقع ملا تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آئے گی۔ میں اس کی کوئی چال، کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔''

اوغدائی بڑی پریشانی سے اس پردے کو دیکھ رہا تھا، جسے سیورقوقطنی پھاڑتی ہوئی گئی تھی۔ وہ پردہ کہہ رہا تھا کہ اب مغل خاندان کے اندر رشتوں کی توڑ پھوڑ شروع ہو چکی ہے۔

تورا کینہ نے اس کی طرف پلٹ کر غصے سے کہا۔ ''تُو خان اعظم ہے۔ تیرے سامنے کسی کو اونچی آواز سے بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی تجھ سے بدتمیزی نہیں کر سکتا۔ اس عورت نے تیرے اعلیٰ رتبے کی توہین کی ہے اور تو چپ کھڑا ہوا ہے؟''

وہ بولا۔ ''وہ میرے اس بھائی کی بیوہ ہے جو مجھ پر احسان کر گیا ہے۔ تُو مجھے اس کے خلاف نہ بھڑکا۔ میں اس کے لیے سات خون معاف کر چکا ہوں۔''

''میں تو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ اگر اس نے میری طرف ایک کنکر بھی اچھالا تو میں اس کے سر پر پتھر دے ماروں گی۔''

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ''ہم تینوں بھائیوں نے کبھی اپنے درمیان شک و شبہے کو اور بے اعتمادی کو ہوا نہیں دی۔ سب مانتے ہیں کہ ہمارے اتحاد کو کوئی بھی چالباز دشمن نہیں توڑ سکتا۔ لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ تم عورتیں ہمارے درمیان فسادات برپا کراؤ گی مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں

اوغدائی زیادہ شراب پینے کے باعث ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ جڑی بوٹیوں کے ذریعے اس کا علاج ہو رہا تھا۔ لیکن اسے شامانوں پر زیادہ بھروسا تھا اور شامانوں نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کے اندر سے بیماری کے آسیبوں کو نکال کر باہر پھینک دیں گے۔

ایک شامان اونچے پہاڑی ٹیلے پر جاودانی آسمان سے باتیں کرنے کے لیے چلا گیا۔ دوسرے شامان خیمے کے آس پاس بیٹھ کر ڈھول بجانے لگے۔ وہ چشمے سے پانی بھر کر لاتے تھے اور منتر پڑھ پڑھ کر اس خیمے پر پانی کا چھڑکاؤ کرتے تھے۔ کنواریوں کے بال کاٹ کر ان بالوں سے یورت کے اندر جھاڑو دیتے تھے۔ یہ تاثر دیتے تھے کہ بُری بلاؤں کو جھاڑو مار کر باہر نکال رہے ہیں۔

پھر اس شامان نے پہاڑی ٹیلے سے واپس آ کر کہا۔ ”جاودانی آسمان سے بات ہو چکی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہمارا خاقان جس انسان کو سب سے زیادہ چاہتا ہے یا جس جانور کو ایک عرصے سے پال رہا ہے اگر اسے زہریلی شراب پلائی جائے۔ اس کی قربانی دی جائے تو ہمارے خاقان کو شفا حاصل ہو گی۔“

زہر کا پیالہ تیار کیا گیا اور پوچھا گیا کہ اوغدائی سب سے زیادہ کسے چاہتا ہے؟ وہ کس رشتے دار یا کس دوست کی یا کس جانور کی قربانی دینا چاہے گا؟

اوغدائی نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تولوئی نے اس کے پاس آ کر کہا۔ ”میں جانتا ہوں اور قبیلے والے بھی جانتے ہیں کہ اوغدائی سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ میں اپنے خاقان بھائی کو مرنے نہیں دوں گا۔“

یہ کہتے ہی اس نے زہر کا پیالہ اٹھا کر منہ سے لگا لیا پھر اس سے پہلے کہ چغتائی آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتا‘ اس نے غٹا غٹ سارا زہر اپنے حلق سے اتار لیا۔ اس کے بعد چکرا کر زمین پر گرنے لگا۔ بڑے بھائی نے آ کر اسے سنبھالا۔ اسے بستر پر لا کر لٹایا۔ اس وقت تک اس کی روح جسم سے پرواز کر چکی تھی۔

اس کے کچھ روز بعد اوغدائی رفتہ رفتہ صحت یاب ہونے لگا۔ شامان بہت خوش تھے۔ ان کی ساحری کا بھرم رہ گیا تھا۔ انہوں نے اوغدائی سے کہا۔ ”اے خاقان...! تجھے نئی زندگی مبارک ہو۔ تیرے بھائی نے تیرے حصے کی موت پی لی ہے۔“

اسے اپنے بھائی کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ وہ صحت یاب ہونے کے بعد غم غلط کرنے کے لیے پھر پینے لگا۔ چغتائی نے ایک لوہے کے برتن میں شراب رکھی تھی۔ کچھ روز بعد اس نے اوغدائی کے سامنے وہ شراب پھینک دی۔ پھر اس برتن کو دکھاتے ہوئے کہا۔ ”دیکھ! یہ برتن زنگ آلود ہے۔ شراب ایسی خبیث شے ہے کہ لوہے کو بھی زنگ لگا دیتی ہے پھر سوچ کہ تیرے جگر اور پھیپھڑوں کو کیا حال ہو گا؟“

بڑے بھائی نے بہت اچھی مثال دے کر اسے سمجھایا تھا۔ وہ متاثر ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے شراب کم کر دی۔

سیورقوقطنی اپنے شوہر تولوئی کا ماتم کر رہی تھی۔ اسے ماتمی لباس میں دیکھ کر اوغدائی کا دل دُکھتا تھا۔ وہ شرمندہ تھا کہ اس کی خاطر تولوئی اپنی بیوی کو بیوہ بنا کر چلا گیا ہے۔

اس نے قوقطنی سے کہا۔ ”اگر میں اس وقت ہوش میں ہوتا تو کبھی تولوئی کو زہر پینے نہ دیتا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ اب کیا کر سکتا ہوں؟ جو تیرا جی چاہے مجھ سے مانگ لے۔ میں تجھے دینے سے انکار نہیں کروں گا۔“

وہ بولی۔ ”بیویاں اپنے شوہروں سے محبت کرتی ہیں۔ لیکن میں تو تولوئی سے عشق کرتی تھی۔ اس نے تیرے لیے اپنا گھر برباد کیا۔ تیرے لیے اپنی جان دے دی۔“

وہ بولا۔ ”تو ٹھیک کہتی ہے۔ میں تجھ سے شرمندہ ہوں۔ ایک بھائی کے لیے میری محبت کو آزمانا چاہتی ہے تو مجھ سے میری جان مانگ‘ میں ابھی دے دوں گا۔“

قوقطنی نے پوچھا۔ ”کیا میں جو مانگوں گی وہ دے گا؟“

”تو مانگ کر دیکھ۔ میں زبان سے نہیں پھروں گا۔ تیری طلب کی ہوئی چیز میرے اختیار میں ہو گی تو ضرور دوں گا۔“

”وہ چیز تیرے اختیار میں ہے۔“

”ایک اور بات ہے۔ اگر وہ چیز میں کسی کو دے چکا ہوں تو پھر تجھے نہیں دے سکوں گا۔ اچھی طرح سوچ کر مطالبہ کر۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ چیز تو نے کسی کو نہیں دی ہے۔ ابھی تیرے اختیار میں ہے۔“

”تو پھر صاف صاف بول... کیا چاہتی ہے؟ وہ تیرے نام ہو جائے گی۔“

”میں چاہتی ہوں کہ تو اپنے بعد میرے بیٹے منگو کو خان اعظم کے لیے نامزد کرے اور اس کا اعلان بھی کرے۔“

”یہ تو نے کیسا مطالبہ کیا ہے؟ کیا یہ نہیں جانتی کہ میرے بعد بڑا بھائی چغتائی اس عہدے کا حق دار ہے؟“

”جانتی ہوں۔ تیری عمر درازی کی دعا مانگتی ہوں تُو ہزاروں سال جیے لیکن تیرے بعد اس کی باری آنے تک چغتائی بہت بوڑھا ہو چکا ہو گا۔ اس پر تو ابھی سے بڑھاپا طاری ہو چکا ہے اور وہ بہت کم گھڑ سواری کرتا ہے۔ خاقان کی ذمے داریاں سنبھال نہیں سکے گا۔“

”پھر بھی ہمارے جد امجد یاسا کی رو سے اور تمام سرداروں کی حمایت سے وہی خان اعظم بنے گا۔“

سیورقوقطنی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے ذرا دور جاتے ہوئے کہا۔ ”تو میرے مطالبے کو ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ یاسا کی رو سے موجودہ خان اعظم اپنی موت سے پہلے کسی کو بھی نامزد کر سکتا ہے۔ تُو تمام سرداروں کے سامنے تحریری طور پر میرے بیٹے منگو کو خان اعظم کے لیے نامزد کر سکتا ہے۔“

اس نے کہا۔ ”قوقطنی...! میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جو چیز میں کسی کو دے چکا ہوں۔ اب وہ تجھے نہیں دے سکوں گا۔“

وہ اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ”کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تو اپنے بیٹے قویوق کو نامزد کر چکا ہے؟ جو کہ بہت ہی لاغر اور کمزور ہے اور ہمیشہ بیمار رہتا ہے۔“

وہ انکار میں سر ہلا کر بولا۔ ”نہیں، میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ خان اعظم کی بھاری ذمے داریاں ایک بیمار اور کمزور کے کاندھے پر ڈال دوں۔ میں نے قویوق کے بیٹے اپنے پوتے شیرامون کو نامزد کیا ہے۔“

”تو جھوٹ کہتا ہے۔ مجھے ٹال رہا ہے۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ تُو یہاں کے بڑے بڑے سرداروں سے پوچھ سکتی ہے۔ وہ تجھے بتائیں گے کہ میں اس سلسلے میں اپنا تحریری بیان دے چکا ہوں۔“

سیورقوقطنی نے اسے ناگواری سے دیکھا پھر کہا۔ ”تو خواہ مخواہ میرے قربان ہو جانے والے شوہر کا احسان کیوں مان رہا ہے؟ اور دکھاوے کے لیے کیوں کہتا ہے کہ ہمارے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہے؟ تو بولتا بہت ہے مگر کرتا کچھ نہیں ہے۔“

ایسے وقت اوغدائی کی بیوی تورا کینہ خیمے میں داخل ہوئی۔ اس نے سیورقوقطنی کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا کر کہا۔ ”ہم دونوں ہی تولوئی کی قربانی کے عوض تیرے بیٹے اور تیری اولاد کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن تو دشمن ہے۔ اپنا مطالبہ منوا کر میرے بیٹے اور میرے پوتے کا حق مارنا چاہتی ہے۔“

وہ بولی۔ ”دشمن تو تم لوگ ہو۔ یاسا کی رُو سے سب سے چھوٹے بیٹے کو خان اعظم بنایا جاتا ہے۔ میرا تولوئی اپنے باپ (چنگیز خاں) کے ساتھ بیس بائیس جنگیں لڑ چکا تھا اور تنہا سپہ سالار رہ کر بھی کئی جنگیں جیت چکا تھا۔ اس کا باپ تمام سرداروں سے کہا کرتا تھا کہ یہ چھوٹا بیٹا میرا جانشین ہے لیکن خان اعظم کی موت کے بعد تم لوگوں نے سازش کی اور اوغدائی کو مغل قبیلے کا مالک و مختار بنا دیا۔“

وہ پاؤں پٹخ کر جاتے ہوئے بولی۔ ”میرے شوہر کے ساتھ جو ہو گیا سو ہو گیا لیکن میں اپنی اولاد کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دوں گی۔“

وہ خیمے کے پردے کو ایک جھٹکے سے پھاڑتی ہوئی اپنے لیے راستہ بناتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو تورا کینہ نے اس کی طرف تھوکتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہت خطرناک ہے۔ میرے بچوں کے خلاف زہر اگلتی رہے گی اور موقع ملا تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آئے گی۔ میں اس کی کوئی چال، کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔“

اوغدائی بڑی پریشانی سے اس پردے کو دیکھ رہا تھا، جسے سیورقوقطنی پھاڑتی ہوئی گئی تھی۔ وہ پردہ کہہ رہا تھا کہ اب مغل خاندان کے اندر رشتوں کی توڑ پھوڑ شروع ہو چکی ہے۔

تورا کینہ نے اس کی طرف پلٹ کر غصے سے کہا۔ ”تو خان اعظم ہے۔ تیرے سامنے کسی کو اونچی آواز سے بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ کوئی تجھ سے بدتمیزی نہیں کر سکتا۔ اس عورت نے تیرے اعلیٰ رتبے کی توہین کی ہے اور تو چپ کھڑا ہوا ہے؟“

وہ بولا۔ ”وہ میرے اس بھائی کی بیوہ ہے جو مجھ پر احسان کر گیا ہے۔ تُو مجھے اس کے خلاف نہ بھڑکا۔ میں اس کے لیے سات خون معاف کر چکا ہوں۔“

”میں تو ہرگز معاف نہیں کروں گی۔ اگر اس نے میری طرف ایک کنکر بھی اچھالا تو میں اس کے سر پر پتھر دے ماروں گی۔“

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ ”ہم تینوں بھائیوں نے کبھی اپنے درمیان شک و شبے کو اور بے اعتمادی کو ہوا نہیں دی۔ سب مانتے ہیں کہ ہمارے اتحاد کو کوئی بھی چالباز دشمن نہیں توڑ سکتا۔ لیکن آثار بتا رہے ہیں کہ تم عورتیں ہمارے درمیان فسادات برپا کراؤ گی مگر میں ایسا ہونے نہیں دوں

گا۔ میں تجھے محبت سے بھی سمجھا رہا ہوں اور سختی سے بھی تاکید کر رہا ہوں، توقطقی کے خلاف کبھی کچھ نہ بولنا۔ اس سے ہمیشہ محبت اور نرمی سے پیش آنا۔ تُو خان اعظم کی بیوی ہے۔ اس قبیلے کی ملکہ ہے۔ تجھے سخی اور فراخ دل ہونا چاہیے۔ اگر وہ تجھ سے ایک گھوڑا ایک سپاہی مانگے تو تجھے چاہیے کہ اسے دس گھوڑے اور دس سپاہی دے۔ ہم تینوں بھائی ایک دوسرے کے آگے جھکتے رہے ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے کو جھکاتے رہے ہیں۔ اسی طرح تو توقطقی کے آگے جھکے گی تو وہ نادم ہو کر تیرے سامنے سر جھکایا کرے گی۔“

تورا کینہ ’اونہہ‘ کہہ کر سر جھٹک کر وہاں سے چلی گئی۔

اوغدائی صحیح اندازہ لگا رہا تھا کہ ان عورتوں کی وجہ سے ان تینوں بھائیوں کے بچوں میں اور بچوں کے بچوں میں پھوٹ پڑنے والی ہے اور مغل خاندان کا شیرازہ بکھرنے والا ہے۔

اوغدائی نے دوسرے دن چغتائی کو وہ تمام باتیں بتاتے ہوئے کہا۔ ”ہم اپنی اپنی بیویوں کو کسی نہ کسی طرح لگام دے لیں گے۔ لیکن توقطقی کو کون قابو میں کرے گا؟ شوہر مر چکا ہے۔ وہ آزاد ہے۔ تولوئی کی زمینوں کی جائداد کی اس کی سپاہیوں کی اور اس کے بچوں کی مالک و مختار ہے۔ وہ ہمارے بھائی کی بیوہ ہے۔ ہم کبھی اس پر جبر نہیں کریں گے لیکن کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔“

چغتائی نے کہا۔ ”میرے بھائی...! تجھ سے بھی غلطی ہوئی ہے۔ تُو نے تورا کینہ کی باتوں میں آ کر اپنے سات برس کے پوتے شیرامون کو آئندہ خان اعظم کے لیے نامزد کر دیا ہے۔ جاودانی آسمان تیری عمر دراز کرے اور تیری زندگی میں ہی شیرامون جوان ہو کر خان اعظم کی ذمے داریاں سنبھالنے کے قابل ہو جائے لیکن آگے کیا ہونے والا ہے؟ کون جانتا ہے؟ تجھے اپنی بیوی کی بات نہیں ماننی چاہیے تھی۔“

”میرے بھائی...! تو جانتا ہے کہ تورا کینہ کیسی منہ پھٹ ہے؟ حلق پھاڑ پھاڑ کر بولتی ہے اور اپنی ضد منواتی ہے۔ میں پیالہ بھر بھر کر پیتا ہوں مگر وہ میرا نشہ ہرن کر دیتی ہے۔“

وہ بے بسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”میں بڑے بڑے لشکروں کے منہ پھیر دیتا ہوں لیکن اس ایک عورت سے ہار جاتا ہوں۔ وہ کئی ماہ سے میرے پیچھے پڑی رہی کہ قویوق کو یا اس کے بیٹے شیرامون کو اپنی زندگی میں خان اعظم کے لیے نامزد کر دوں۔ میں اس کی یہ ضد ٹالتا رہا۔ ایک رات تو وہ ایک دم غصے سے بھڑک گئی۔ انگیٹھی میں انگارے دہک رہے تھے۔ اس نے قویوق کے بچے کو بستر سے اٹھایا پھر اسے انگیٹھی میں لے جا کر ڈالنا چاہتی تھی۔ میں نے جلدی [illegible] آگے آ کر اسے پکڑ لیا پھر اس کی اچھی طرح پٹائی کی [illegible] کھاتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی، تُو میرا مرد ہے مجھے [illegible] سے بھی مار سکتا ہے۔ لیکن میری ضد تو تجھے ماننی [illegible] گی۔ تُو بھائیوں کی محبت میں اندھا ہو جاتا ہے۔ میں [illegible] محبت میں اندھی ہوں۔ بس تُو میری ایک بات مان [illegible] میرے بیٹے کو نہ سہی میرے پوتے کو نامزد کر دے۔ اس [illegible] بعد میں مر جاؤں گی، مگر کوئی خواہش نہیں کروں گی۔“

وہ دونوں بھائی الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور [illegible] بھر بھر کر پی رہے تھے۔ اوغدائی نے کہا۔ ”جب بھی ہم [illegible] کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں تو تولوئی کی کمی بہت صدمہ [illegible] ہے۔ وہ بڑی اچھی باتیں کرتا تھا۔ اس کے ساتھ پینے کا [illegible] آتا تھا۔ افسوس صد افسوس۔ سیورقوقطقی نے زندگی میں [illegible] بار ایک مطالبہ کیا اور میں اسے پورا نہ کر سکا۔ تولوئی کو اس [illegible] عشق تھا۔ اب وہ روتی ہوگی تو اس کی روح کو تکلیف [illegible] ہوگی۔“

چغتائی نے کہا۔ ”اب ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے [illegible] عورتوں کا جھگڑا نہ بڑھے۔ ان عورتوں کو پہلے کی طرح [illegible] اپنے معاملات میں مصروف رہنا چاہیے۔“

وہ الاؤ کی آگ [illegible] کا تے رہے اور پیتے رہے [illegible] چغتائی نے کہا۔ ”سیورقوقطقی کو ایک طرح سے قابو میں [illegible] سکتا ہے۔“

اوغدائی نے سر اٹھا کر پوچھا۔ ”کوئی تدبیر [illegible] بتا...؟“

”توقطقی کو بیوہ نہ رہنے دیں۔ اس کی [illegible] کرا دیں۔ تُو اپنے بڑے بیٹے قویوق سے اس کی [illegible] کرائے گا تو وہ تیری بہو بن جائے گی۔ دنیا کی [illegible] بہو کو لڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ تورا کینہ اور توقطقی [illegible] ایک دوسرے سے جھگڑا نہیں کر سکیں گی۔ عورتوں کے [illegible] جو عداوتیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے وہ ہمیشہ کے لیے [illegible] جائے گا۔“

اوغدائی نے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ [illegible] بہت ہی عمدہ تدبیر ہے۔ میں کل ہی اپنے بیٹے سے شادی کا پیغام بھیجوں گا۔“

چغتائی نے کہا۔ ”پیغام نہ بھیج۔ ہم سب اس کے [illegible] میں جائیں گے اور اسے سمجھائیں گے کہ اس شادی سے اسے اور اس کی اولاد کو کتنا فائدہ پہنچنے والا ہے۔ جب [illegible] جائے گا تو وہ یقیناً سمجھ لے گی اور راضی ہو جائے گی۔“

تورا کینہ بھی یہ تدبیر سن کر خوش ہو گئی۔ وہ سب بیش قیمت تحائف لے کر اس کے یورت میں آئے۔ سیورقوقطقی نے حیرانی سے پوچھا۔ ”یہ سب کیا ہے؟“

چغتائی نے کہا۔ ”تُو جانتی ہے تولوئی اپنے بڑے بھائیوں کی کتنی عزت کرتا تھا اور ان کی ہر جائز اور ناجائز بات مان لیا کرتا تھا۔“

سیورقوقطقی نے اوغدائی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں جانتی ہوں۔ اسی لیے تو وہ اپنی جان سے گیا ہے۔“

تورا کینہ نے کہا۔ ”ہمیں طعنے نہ دے۔ اس کی قربانی کے بدلے ہم تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے بہت کچھ کرنے آئے ہیں۔ میں اپنے بیٹے قویوق کا رشتہ لائی ہوں۔ تجھے اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔“

وہ بولی۔ ”تُو نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں رشتہ قبول کر لوں گی؟“

چغتائی نے کہا۔ ”غصے اور عداوت سے بات نہ کر۔ ہمارے خلوص اور نیک نیتی کو سمجھنے کی کوشش کر۔ اوغدائی اپنے پوتے شیرامون کو خان اعظم کے لیے نامزد کر چکا ہے۔ اگر تُو قویوق کی بیوی بن جائے گی تو شیرامون تیرا بیٹا ہوگا۔ وہ جب خان اعظم بنے گا تو تُو اس خان اعظم کی ماں کہلائے گی۔ اس قبیلے کی تمام عورتوں سے افضل اور برتر ہو جائے گی۔“

وہ بولی۔ ”یاسا کی رُو سے بہو کو ساس اور سسر کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسے ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ مجھے قبیلے کی تمام عورتوں سے افضل اور برتر بنانے کے سبز باغ دکھا رہے ہو اور در پردہ بہو بنا کر ساس اور سسر کے دباؤ میں رکھنا چاہتے ہو۔ تاکہ میں اپنے بیٹے منگو کو ان کے بیٹوں سے افضل اور برتر بنانے سے باز آ جاؤں۔“

تورا کینہ نے کہا۔ ”ہم تجھ سے محبت اور رشتے داری مضبوط کرنا چاہتے ہیں اور تو ہمیں غلط سمجھ رہی ہے۔“

سیورقوقطقی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تورا کینہ...! تو اوغدائی کی بیوی بننے سے پہلے ایک دشمن قبیلے کے سردار کی بیوی تھی۔ اوغدائی اسے قتل کر کے تجھے اپنے لیے لے آیا۔ یہ سچ ہے نا؟“

تورا کینہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، یہ سچ ہے۔ یہ سارا قبیلہ جانتا ہے۔ تُو کہنا کیا چاہتی ہے؟“

وہ بولی۔ ”میں بڑے فخر سے یہ کہتی ہوں کہ جب تولوئی کی بیوی بن کر آئی تو کمسن اور کنواری تھی۔ اس سے پہلے کسی کا سایہ مجھ پر نہیں پڑا تھا۔ میں تجھ سے مختلف ہوں۔ تیرے مقابلے میں حیا والی ہوں۔ میرے بدن کو صرف میرے ایک شوہر نے دیکھا ہے۔ دوسرا کوئی نہیں دیکھ پائے گا۔ آئندہ تیرے بیٹے سے تو کیا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔“

اس کی باتوں سے صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں تورا کینہ کو ایک کے بعد دوسرا مرد بدلنے والی بے حیا عورت کہہ رہی ہے۔ اوغدائی غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چغتائی نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ”صبر کر۔ آرام سے بات کر۔ یہ ہر حال میں یاد رکھ کہ یہ ہمارے بھائی تولوئی کی بیوہ ہے۔“

وہ بولا۔ ”میں صبر کر رہا ہوں اور غصہ برداشت کر رہا ہوں۔ ورنہ خان اعظم کی حیثیت سے حکم دے سکتا ہوں پھر اسے میرے بیٹے سے شادی کرنی ہی ہوگی لیکن میں زبردستی نہیں کروں گا۔ قربانی دینے والے عظیم بھائی کی بیوہ سے کہوں گا کہ تولوئی کے لیے جو علاقہ مختص کیا گیا ہے۔ یہ وہاں چلی جائے اور اپنے بچوں کے ساتھ وہیں زندگی گزارے۔ اسے میرے علاقے میں نہیں رہنا چاہیے۔“

یہ کہہ کر وہ تورا کینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ ان تینوں بھائیوں میں کبھی عداوت تو کیا معمولی سی رنجش بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب ان کی عورتوں اور بچوں کے درمیان اختلاف کی خلیج بن گئی تھی۔ آئندہ یہ خلیج بڑھتے بڑھتے عداوت میں تبدیل ہونے والی تھی۔

چنگیز خان نے اپنی زندگی میں چاروں بیٹوں کو الگ الگ علاقوں کا حکمران بنایا تھا۔ وہ ان علاقوں کے حاکم بھی تھے اور اپنی ذاتی فوجوں کے سپہ سالار بھی۔ لیکن ان چاروں کے لشکروں کا ایک سپہ سالار اعظم تھا۔ اس کا نام سوبودائی تھا۔ کسی بھی ملک پر حملہ کرنے اور جنگ لڑنے کے معاملے میں اس کے مشورے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ اسی کی رہنمائی میں وہ چاروں بھائی کسی بھی ملک کی طرف پیش قدمی کرتے تھے اور اسی کے زیر اثر رہ کر ان چاروں نے جنگیں لڑنے میں مہارت حاصل کی تھی۔

جوجی سوتیلا تھا۔ اس لیے اسے تینوں بھائیوں سے ہزاروں میل دور روس کا علاقہ دیا گیا تھا۔ جوجی کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا باطو وہاں کا حکمران بن گیا تھا۔ وہ اس بات پر شرمندہ تھا اور احساس کمتری میں مبتلا رہتا تھا کہ اس کا باپ جوجی اپنے ماں باپ کا ناجائز بیٹا تھا۔ اس کی رگوں میں چنگیز خان کا لہو نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ مغل خاندان کا وفادار اور تابعدار تھا۔

جب کسی قرولتائی یا کسی میدان جنگ میں وہ سب یکجا

ہوتے تھے تو اوغدائی اور چغتائی کے بیٹے باطو سے کہتے تھے کہ وہ چنگیز خان کی نسل سے ہیں۔ باطو کو یہ فخر حاصل نہیں تھا۔ وہ ان کے سامنے شرمندہ ہوتا تھا۔ اُن سے کتراتا رہتا تھا۔ ان کے برعکس تولوئی اور سیور قوقطنی کے بیٹے منگو سے اس کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ کیونکہ انہوں نے کئی جنگوں میں ایک ساتھ دشمنوں سے مقابلہ کیا تھا۔ ان کا سپہ سالار اعظم سوبودائی یہ جانتا تھا کہ جب منگو اور باطو یکجا ہوتے ہیں تو اپنی حکمتِ عملی سے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیتے ہیں۔

سیور قوقطنی اپنے علاقے میں آ گئی۔ وہاں اس کے ہزاروں جانثار تھے۔ ہزاروں گھوڑے اور مویشی تھے۔ وہ اس بات سے خوش تھی کہ اس کے بیٹے منگو نے باطو خاں سے دوستی رکھی ہے۔ اس کا مذاق نہیں اڑاتا ہے بلکہ اس کی عزت کرتا ہے۔

اس کی یہ ضد تھی کہ وہ اپنے بیٹے منگو کو خان اعظم بنائے گی۔ اس کے لیے اوغدائی اور اس کے بیٹوں کے خلاف محاذ آرائی لازمی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ باطو خاں بھی اوغدائی اور اس کے بیٹوں سے بیزار رہتا ہے۔ ان سے کتراتا ہے۔ لیکن خان اعظم اور اس کے بیٹوں سے مکمل کر نفرت نہیں کرتا۔ سیور قوقطنی نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ باطو خاں کی نفرت اور بیزاری سے فائدہ اٹھائے گی۔

سپہ سالار اعظم سوبودائی کی رہنمائی میں منگو اور باطو جنوب کے علاقوں میں پے در پے فتوحات حاصل کر رہے تھے۔ ایک علاقے میں قپچاق قوم سے مقابلہ ہوا تھا۔ ان کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی۔ وہ مقابلے میں ٹھہر نہ سکے بھاگنے لگے۔ ان کا سردار کتیان بھی فرار ہو گیا۔ اس جنگ میں اوغدائی کا بیٹا قویوق اور چغتائی کا بیٹا بوری بھی تھا۔ انہوں نے فتح کا جشن مناتے ہوئے شراب کا جام اٹھایا۔ باطو سب سے پہلے دو جام پی گیا۔ اس بات پر قویوق اور بوری طیش میں آ گئے۔ قویوق نے اپنا پیالہ زمین پر پٹخ دیا۔

بوری نے چیختے ہوئے کہا۔ ”باطو کسی طرح بھی ہم سے افضل نہیں ہے۔ یہ ایک ناجائز باپ کی اولاد ہے۔ اس نے ہم سے پہلے شراب کیسے پی لی؟“

سپہ سالار اعظم سوبودائی نے آ کر پوچھا۔ ”کیا معاملہ ہے؟“

قویوق نے باطو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کا منہ تو دیکھو۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی بڑھیا کے چہرے پر داڑھی لگا دی گئی ہے۔ میں ایک لات ماروں گا تو یہ گر کر تڑپنے لگے گا۔“

بوری نے کہا۔ ”یہ باطو تو ایسا ہے جیسے کسی بڑھیا کو زرہ بکتر پہنا کر اس کے ہاتھ میں تلوار دے دی گئی ہو۔ میں سپہ سالار اعظم سے درخواست کرتا ہوں کہ اسے ڈنڈے مارے جائیں۔“

منگو نے کہا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ باطو نے پہلے شراب نہیں پی بلکہ ان دونوں نے شراب پینے میں دیر کی۔“

قویوق نے کہا۔ ”ٹھیک ہے، ہم نے پینے میں دیر کی مگر تُو نے دیر نہیں کی تھی پھر اس نے تجھ سے پہلے کیوں پی؟“

منگو نے کہا۔ ”اس لیے کہ یہ عمر میں ہم سب سے بڑا ہے۔ تم دونوں اسے کمتر سمجھتے ہو مگر میں نہیں سمجھتا۔ یہ میرا دوست بھی ہے اور بڑا بھائی بھی۔“

سوبودائی نے کہا۔ ”میں تم سب کو حکم دیتا ہوں کہ آئندہ میدان جنگ میں آ کر کوئی کسی سے نہ برتر ہوگا نہ کسی سے کمتر رہے گا اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کرے گا۔ جو ایسا کرے گا۔ میں اسے واپس بھیج دوں گا۔“

یہ بات جب خان اعظم اوغدائی تک پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے قویوق کو سخت لعنت اور ملامت کی۔ چغتائی نے بھی اپنے بیٹے بوری کو تنبیہ کی پھر انہوں نے باطو کو یہ کہلا بھیجا کہ تُو بھی اپنی فتوحات کے سلسلے میں زیادہ شیخیاں نہ بگھار کر۔ تیری فتوحات کے پیچھے سوبودائی کا تجربہ اور حکمت عملی کام کرتی ہے۔ آئندہ اپنی اوقات میں رہا کر۔

یہ بات سیور قوقطنی تک پہنچی تو اس نے باطو کے نام ایک خط لکھا۔ ”باطو...! میرے بیٹے...! تُو خود کو کبھی تنہا نہ سمجھ۔ میں تیری ماں ہوں۔ میرا بیٹا منگو تیرے ساتھ ہے۔ میں ایک بیوہ ہوں۔ تُو ایک یتیم ہے۔ تیری طرح میرے بیٹے بھی یتیم ہیں۔ ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ دل تھوڑا نہ کرو۔ ہماری کشتی ضرور پار لگے گی۔“

سیور قوقطنی چنگیز خاں کی زندگی میں اس کی بہو بن کر قبیلے میں آئی تھی۔ وہ تب سے اب تک اس کے بیٹوں اور پوتوں کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ رہی تھی اور بدلتے ہوئے حالات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ یہ دیکھتی آ رہی تھی کہ باطو نفرت اور ندامت کی ہانڈی میں پک رہا ہے۔ وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے۔ جب وہ اوغدائی اور اس کی اولاد کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہو جائے گا اور ایسے وقت وہ اس کی سرپرستی ضرور کرے گی۔

اوغدائی اب دن رات عیش و طرب کی محفلیں جمانے لگا تھا۔ اس کے حرم میں حسین ترین لڑکیاں لائی جاتی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور عیش کرتا تھا۔ اس کی فوج کو اس کے

بیٹے قویوق نے سنبھالا تھا۔ قبیلے کے انتظام و انصرام کے لیے تجربہ کار بوڑھے سردار تھے۔ ان سب پر توراکینہ کا حکم چلتا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی فکر میں رہتی تھی۔ اس نے ایک بہت ہی ذہین اور چالاک مسلمان عبدالرحمٰن کو اپنا معتمد خاص بنایا تھا۔ عبدالرحمٰن اسے دولت جمع کرنے کے ہتھکنڈے سکھاتا تھا۔ وہ اس کے مشورے کے مطابق آنے جانے والے تمام تاجروں سے ٹیکس کی صورت میں زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرتی تھی۔ تمام سردار اور سپاہی مال غنیمت میں جو حصہ وصول کرتے وہ ان کے حصوں میں سے اپنا حصہ نکال لیا کرتی تھی اور اوغدائی کو شراب و شباب میں مست رکھا کرتی تھی۔

جب وہ ہوش و حواس میں رہتا تو توراکینہ کے یوں دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے پر اعتراض کرتا۔ وہ کہتا کہ ہم مغل دوسری قوموں پر حملہ کرتے ہیں۔ انہیں لوٹتے ہیں مگر تُو تو اپنے ہی قوم کے سرداروں کو لوٹ رہی ہے؟ اس طرح یہ مجھ سے بدظن ہو جائیں گے۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ توراکینہ نے چند سرداروں کی زمینیں ضبط کر لی تھیں اور مال غنیمت میں جو سب سے بیش قیمت اور جاذب نظر ہیرے جواہرات ہوتے تھے وہ ان سرداروں سے لے لیا کرتی تھی۔ یہ سیور قوقطنی اور باطو کے حق میں بہتر ہو رہا تھا۔ قبیلے کے بڑے اور اہم سردار اوغدائی اور اس کے بیٹوں سے بدظن ہو رہے تھے۔

توراکینہ نے اوغدائی سے کہا۔ ”جب بھی ہمارا لشکر کہیں فتح حاصل کرتا ہے تو ہم اس ملک میں اپنے سرداروں اور سپاہیوں کو آزادی سے لوٹ مار کی اجازت دیتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کتنا مال چھپا کر رکھتے ہیں؟ ہمیں اپنے سرداروں سے بھی کچھ چھیننا جھپٹنا چاہیے۔ تاکہ ہمارا رعب و دبدبہ قائم رہے اور وہ ہم سے سہمے رہیں۔ ہمیں خوش کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تابعداری کا مظاہرہ کرتے رہیں۔“

پھر اس نے اوغدائی سے کہا۔ ”تو ان سب معاملات میں نہ اُلجھا کر... کیا تجھے پتا ہے کہ کورات قبیلے کی لڑکیاں کس قدر حسین ہیں؟ تُو نے تو اس باغ کے میوے ابھی تک نہیں چکھے۔ یہاں کے معاملات میں سر نہ کھپا۔ اُدھر دھیان دے۔“

کورات قبیلے کے لوگ مغلوں کے زیر اثر رہتے تھے۔ یہ کہتے تھے کہ خان اعظم بلا کا عیاش ہے۔ دوسرے مغل سردار بھی ان کی لڑکیوں کو اپنے لیے طلب کر سکتے ہیں۔ ایسے وقت وہ احتجاج نہیں کر سکتے تھے۔ نہ ہی ان کے مطالبات سے انکار کر سکتے تھے۔ انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا پھر بڑی رازداری سے اپنی لڑکیوں کی منگنیاں اپنے ہی قبیلے کے جوانوں سے کر دیں اور بہت سی لڑکیوں کی شادیاں بھی کر دیں۔

جب اوغدائی کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ اس قبیلے میں سات برس سے اوپر جتنی بھی کنواری لڑکیاں ہیں۔ اور جن کی شادیاں ابھی حال ہی میں ہوئی ہیں۔ ان سب کو پکڑ کر ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔

تقریباً چار ہزار لڑکیوں کو رنگ برنگے زرق برق کپڑے پہنا کر اس کے سامنے ایک میدان میں حاضر کیا گیا۔ ان لڑکیوں کے ماں باپ اور رشتے داران کے پیچھے پیچھے روتے اور سینہ پیٹتے ہوئے آئے تھے۔ وہ دہائی دے رہے تھے۔ فریاد کر رہے تھے کہ ان لڑکیوں کی جان نہ لی جائے۔ انہیں زندہ رکھا جائے۔ ان بیچاریوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔

اوغدائی نے کہا۔ ”ہم نے تمہاری فریاد سن لی۔ تمہارا التجا قبول کی۔ ان لڑکیوں کو ہلاک نہیں کیا جائے گا۔“

اس نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ لڑکیوں کو قطاروں میں کھڑا کیا جائے۔ جو زیادہ حسین ہوں انہیں پہلی قطار میں رکھا جائے۔

ان لڑکیوں کو اسی طرح کئی قطاروں میں کھڑا کیا گیا۔ اوغدائی گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے سامنے سے گزرتا جا رہا تھا جو لڑکیاں زیادہ حسین اور دلنشین لگتی تھیں۔ انہیں اشارے سے آگے آنے کو کہتا تھا۔ پھر حکم دیتا تھا کہ انہیں اس کے یورت میں پہنچا دیا جائے۔

اس کے بعد اس نے کئی سو حسین لڑکیاں چن کر اپنے اعلیٰ افسروں کو دیں۔ تقریباً ڈھائی ہزار لڑکیاں رہ گئیں۔ اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ ”ان سب کو یہاں سے دوڑاؤ اور پکڑو۔ جو سپاہی جسے پکڑ لے گا۔ وہ لڑکی اس کی ہو جائے گی۔“

پھر تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ بھگدڑ مچی۔ لڑکیاں اِدھر اُدھر چیختے ہوئے بھاگنے لگیں۔ سپاہی انہیں دوڑا رہے تھے اور گھیر گھیر کر پکڑ رہے تھے۔ اگر ایک لڑکی کو دو چار سپاہی پکڑتے تو ان میں جھگڑا ہونے لگتا پھر جو مار پیٹ کر لڑکی کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیتا۔ وہ اس کی ہو جاتی۔

اوغدائی اور سرداروں کے لیے بڑا دلچسپ تماشا تھا۔ لیکن ان لڑکیوں کے ماں باپ رو رہے تھے۔ سینہ پیٹ رہے تھے اور ایک دوسرے کو سمجھا رہے تھے کہ جو ہو رہا ہے

ہونے دو۔ یہی کیا کم ہے کہ ہماری لڑکیاں جہاں بھی رہیں گی زندہ رہیں گی۔

اوغدائی ایسے ہی کھیل تماشوں سے دلچسپی لیتا رہتا تھا۔ اس نے کئی ممالک سے بڑے ہی زبردست پہلوان بلوائے تھے۔ ان سے کہا تھا' جو اکھاڑے میں اپنے مقابل کو اپاہج بنا دے گا یا مار ڈالے گا' اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ تمام پہلوان جب باری باری اکھاڑے میں اترتے تھے تو سمجھ لیتے تھے کہ ان دو مقابلہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کو زندہ سلامت واپس جانا ہے۔

اور یہی ہوتا تھا' ان دو پہلوانوں میں سے جو غالب آتا تھا وہ مغلوب کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دیتا تھا یا کسی داؤ پیچ کے ذریعے اسے ہلاک کر دیتا تھا۔ وہ مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک کے کتنے ہی علاقے فتح کر چکے تھے۔ وہاں کے مہذب لوگوں کی صاف ستھری طرز زندگی کا مشاہدہ کر چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ مغل اب تک وحشی اور درندے تھے۔ ان کے کھیل تماشوں میں بھی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا لازمی ہوتا تھا تب ہی انہیں تماش بینی کا مزہ آتا تھا۔

جب وہ جشن بہاراں مناتے یا قرولتائی منعقد کرتے تو دور دور کے ملکوں سے تاجر' ہنر مند' سیاح اور مورخین وہاں آتے تھے۔ تاکہ اپنی آنکھوں سے ان کے رہن سہن کو اور ان کے طور طریقوں کو دیکھ سکیں۔ وہ مغل بے شمار ملکوں کو فتح کرنے اور بے انتہا دولت سمیٹنے کے بعد بھی اب تک خیموں میں رہتے تھے۔

ان کے جد امجد خان اعظم چنگیز خاں نے کہا تھا کہ ہم آباؤ اجداد کے زمانے سے خانہ بدوش رہے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ہمیں مہذب لوگوں کی طرح پکے مکانات بنا کر ایک جگہ قیام نہیں کرنا چاہیے۔ تالاب کے پانی کی طرح ایک ہی جگہ ٹھہرنا نہیں چاہیے۔ ہم دریا کی طرح رواں دواں رہیں گے۔ یوں مہذب قوموں کو کچلتے ہوئے' ان کی دولت سمیٹتے ہوئے اپنی مغل قوم کو مالا مال کرتے رہیں گے۔

اب اس قوم میں عورتوں اور مردوں کی تعداد کئی لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ چغتائی' اوغدائی' سیور قوقطنی اور ہالو چار مختلف علاقوں کے حکمران تھے پھر ان کی اولاد کو بھی مختلف علاقے حکمرانی کے لیے مل گئے تھے۔ اس طرح مغل قبیلہ بہت دور دور تک پھیل چکا تھا۔ اس کے باوجود ان کی چال بے ڈھنگی' جو پہلے تھی وہ اب بھی دیکھنے میں آ رہی تھی۔

جو بھی ان کی قرولتائی میں پہنچ کر اپنی آنکھوں سے ان کی طرز زندگی دیکھتا تھا۔ وہ اپنے ملک میں جا کر کہتا تھا۔ "لوگو...! وہ یہ ایسی قوم ہے جو دنیا کے آخری سرے سے ابھر کر آئی ہے۔ وہ اب تک وہاں کی خوفناک آب وہوا اور برف باری میں کہیں چھپے ہوئے تھے۔ پھر اچانک ہی موت کے فرشتے بن کر شمال سے مشرقی جنوبی ایشیا اور مغربی یورپی ملکوں کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روندتے اور کچلتے آ رہے ہیں۔ اب ان کی آبادی ٹڈی دل کی طرح بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے اس وحشی قوم کو ہم مہذب لوگوں پر کیوں عذاب بنا کر نازل کیا ہے؟

وہ ہیبت ناک وحشی درندے انسانی قوانین سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان کا ایک سردار ہوتا ہے جس کی وہ بہت تعظیم کرتے ہیں۔ اسے دیوتا مان کر اس کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ وہ جان دینے کو کہتا ہے تو اسی وقت جان پر کھیل جاتے ہیں۔

ان وحشیوں کے پاس بہترین گھوڑے ہیں۔ وہ بہت عمدہ کھانے کھاتے ہیں۔ بیش قیمت کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کے پاس مشرق سے مغرب تک' تمام ملکوں سے لوٹی ہوئی دولت اتنی ہے کہ ہیرے' جواہرات' سونا چاندی کچرے کے ڈھیر کی طرح ان کے یہاں بے کار پڑے رہتے ہیں۔

پہلے ان کے پاس آہنی ہتھیار اور بھدے قسم کے زرہ بکتر تھے لیکن عیسائیوں اور مسلمانوں سے جنگیں جیتنے کے بعد ان کے پاس ہمارے ہتھیاروں کا ذخیرہ ہو گیا ہے۔ اب وہ حملے کرتے ہیں تو ہمارے ہی ہتھیاروں سے ہمارے لوگوں کو قتل کرتے چلے جاتے ہیں۔

دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام ممالک کے حکمران اس خیال سے سہمے رہتے ہیں کہ پتا نہیں وہ پھر کب پلٹ کر آئیں گے۔ قتل وغارت گری کا بازار گرم کریں گے اور اپنی ضرورت کی چیزوں کے ساتھ ہماری نوجوان اور خوبصورت عورتوں کو اٹھا کر لے جائیں گے۔

ویسے اب وہ صرف حکمرانوں کے اور ان کی فوجوں کے دشمن ہیں۔ جس ملک میں پہنچتے ہیں' وہاں کے شہریوں کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ ان کی شرط یہ ہوتی ہے کہ کچھ کہے بغیر وہ اپنے گھروں میں چھپائی ہوئی دولت ان کے سامنے لا کر رکھ دیں اور اپنی حسین عورتوں کو ان کے آگے پیش کریں تو وہ چار روز قیام کرنے کے بعد جب واپس جائیں گے تو ان کی عورتوں کو انہیں واپس دیتے جائیں گے۔

ان کے متعلق یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ عقل کی کمی کے باعث وہ وحشی بن کر رہتے ہیں۔ وہ کسی دین دھرم کو نہیں مانتے۔ جاودانی آسمان سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شامان اور جادوگر انہیں آسمانی بلاؤں سے نجات دلاتے رہتے ہیں۔ ایک مہذب ملک سے قرولتائی میں ایک شعبدہ باز آیا تھا۔ اس نے چغتائی کے ساتھ ایک شامان کی جادوگری دیکھی۔ آسمان پر پانچ پرندے اڑتے جا رہے تھے۔ چغتائی تیر کمان سے ان کا نشانہ لینا چاہتا تھا۔ شامان نے کہا۔ "اے آقا! تو ان پانچوں میں کتنے پرندوں کو شکار کرنا چاہتا ہے؟"

چغتائی نے ان اڑتے ہوئے پرندوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس پہلے اور آخری اور بیچ والے پرندے کو مارنا چاہتا ہوں۔"

شامان نے کہا۔ "میں کسی ہتھیار کے بغیر انہیں مار گراؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے زمین پر انگلی سے چند لکیریں کھینچیں پھر اس انگلی کا رخ ان پرندوں کی طرف کیا۔ تو دوسرے ہی لمحے میں چغتائی کے تینوں مطلوبہ پرندے پھڑپھڑاتے ہوئے زمین پر آ گرے۔

چغتائی نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ تو نے کیسے کیا؟"

وہ سر جھکا کر بولا۔ "میں نے زمین پر لکیریں کھینچ کر جاودانی آسمان سے مدد مانگی۔ اس نے کہا' ابھی وہ تینوں پرندے تیرے آقا کے قدموں میں آ گریں گے اور تو دیکھ رہا ہے کہ یہ تینوں تیرے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔"

مہذب ملک سے آنے والا جادوگر اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ شامان نے سراسر شعبدہ بازی کی ہے۔ جادو کی ہتھکنڈے سے ان تین پرندوں کو نیچے گرایا ہے۔ چغتائی کو متاثر کرنے کے لیے کہہ رہا ہے کہ اس نے جاودانی آسمان سے باتیں کی تھیں۔ تمام مغل سردار ان شامانوں سے اس لیے ڈرتے تھے کہ جاودانی آسمان سے ان کا براہ راست رابطہ رہتا تھا اور وہ اس سے باتیں کرتے ہیں اور آسمان سے نازل ہونے والی بلاؤں اور بیماریوں کو ان سے دور رکھتے ہیں۔

اوغدائی نے اس مہذب ملک کے شعبدہ باز کو طلب کیا اور اس سے کہا۔ "تم نے ہمارے شامانوں کے کمالات دیکھے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی اور عظمت یہ ہے کہ یہ جاودانی آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ کیا تو اتنا بڑا اعزاز حاصل کر سکتا ہے؟"

اس شعبدہ باز نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ وہ شامان سراسر مکاری سے کام لیتے ہیں۔ یہ کہہ کر سرداروں کو مرعوب کرتے ہیں کہ وہ ان کے خدا کے پسندیدہ بندے ہیں اور خدا صرف ان سے ہی باتیں کرتا ہے۔

اس نے کہا۔ "اگر یہ شامان دور پہاڑی ٹیلوں کی بلندی پر جا کر اس سے باتیں کرتے ہیں تو کیا کمال کرتے ہیں؟ اے خان اعظم...! میں یہاں تیرے سامنے جاودانی آسمان سے باتیں کروں گا اور یہاں جو ہزاروں کی تعداد میں تیرے سردار اور سپاہی موجود ہیں' یہ بھی جاودانی آسمان سے ہونے والی باتیں سنیں گے۔"

یہ ایسا چونکا دینے والا دعویٰ تھا کہ سب ہی چونک کر حیرانی اور بے یقینی سے شعبدہ باز کو دیکھنے لگے۔ اوغدائی نے کہا۔ "تو بہت بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔ اگر تو نے ابھی ہمارے سامنے جاودانی آسمان سے باتیں نہ کیں تو ہم تیرا سر قلم کر دیں گے۔"

اس نے پوچھا۔ "اور اگر میں اپنے دعوے میں سچا ثابت ہوا تو.......؟"

"تو تجھے اتنا مال وزر دیا جائے گا کہ تو وہ دولت پانچ چھکڑوں پر لاد کر اپنے ملک لے جائے گا۔"

"تو پھر اے خاقان! اپنی مسند سے اتر جا اور میرے روبرو آ کر پالتھی مار کر بیٹھ جا۔ اس کے بعد تماشا دیکھ۔"

اوغدائی اس کے سامنے آ کر پالتھی مار کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ "اب ہمارے چاروں طرف عود اور عنبر کی خوشبو جلائی جائے۔"

ذرا سی دیر میں ان کے چاروں طرف عود اور عنبر کا دھواں منڈلانے لگا۔ وہ بلند آواز سے کوئی منتر پڑھ رہا تھا اور وقفے وقفے سے کہتا تھا۔ "آ... آسمان سے اتر کر آ... تو نے مغل خاندان کے ایک بندے کو خان اعظم کا بہت بڑا رتبہ دیا ہے۔ یہ اعلیٰ خاقان اپنی مسند سے اتر کر زمین پر آ بیٹھا ہے۔ اب تجھے بھی آنا ہے۔ اے جاودانی آسمان...! آ... آ... آ جا....."

پھر اس نے ایک کپڑا اپنے منہ پر کس کر باندھ لیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی بانسری اور دف کی موسیقی ابھرنے لگی۔ سب حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ کوئی بانسری اور دف بجانے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے باوجود آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس قبیلے کے شامان یہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ یہ سراسر شعبدہ بازی ہے۔ اس نے اپنے طور پر جادو کے جو ہتھکنڈے سیکھے ہیں' ان کے ذریعے وہاں کے موجودہ افراد کو موسیقی سنا رہا ہے۔

پھر اچانک ہی سب نے ایک گرج دار آواز سنی۔ وہ

آواز کہہ رہی تھی۔ ”اے ساحر اعظم! تُو ہمارا پسندیدہ بندہ ہے۔ تُو نے ہمیں بلایا اور ہم چلے آئے ہیں۔“

وہ سب حیرانی سے اس شعبدہ باز کو دیکھ رہے تھے۔ اس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ ہونٹ نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس کے باوجود آواز سنائی دے رہی تھی پھر انہیں اس شعبدہ باز کی آواز سنائی دی۔ وہ پوچھ رہا تھا۔ ”کیا تُو جاودانی آسمان ہے؟“

گرجتی ہوئی آواز نے کہا۔ ”ہاں، ہم جاودانی آسمان ہیں۔ بول تُو کیا چاہتا ہے؟“

وہ بولا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تو اس قبیلے کے خان اعظم کی عزت اور عظمت میں اضافہ کر۔ اس اعلیٰ مرتبت خاقان سے باتیں کر۔“

پھر اوغدائی نے حیرانی سے سنا۔ جاودانی آسمان اس سے مخاطب ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”اے اوغدائی! ہم نے تجھے زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر پہنچایا ہے۔ تجھے ایک بہت بڑے قبیلے کا خان اعظم بنایا ہے۔ بول، تُو اس وقت کون سا آسمانی معجزہ دیکھنا چاہتا ہے؟ ہم تیری یہ خواہش پوری کریں گے پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔“

اوغدائی نے کہا۔ ”میں اپنے آقا بابا چنگیز خاں کی روح سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

اس کی بات ختم ہوتے ہی پھر بانسری اور دف کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کے بعد ایک لرزتی ہوئی کمزور سی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی۔ ”اے میرے بیٹے اوغدائی...! میں تیرا خان بابا تجھ سے مخاطب ہوں۔“

اوغدائی نے پوچھا۔ ”اے خان بابا! تیری آواز کیوں بدل گئی ہے؟ اور اتنی کمزور کیوں ہے؟ کیوں لرزتے ہوئے بول رہا ہے؟“

اسے جواب ملا۔ ”میں برسوں سے اپنی قبر میں پڑا ہوں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا ہوں۔ ان ہڈیوں سے ایسی ہی کمزور اور لرزتی ہوئی آواز نکل رہی ہے۔“

ان کے چاروں طرف عود اور عنبر کا دھواں دور دور تک پھیل رہا تھا۔ تمام حاضرین حیرانی سے وہ آوازیں سن رہے تھے۔ پہلے تو انہیں یقین نہیں ہوا کہ جاودانی آسمان کی آواز سن رہے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے مردہ خان اعظم کی آواز سنی تو اور زیادہ حیران ہونے لگے۔ یہ نہ سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ اس شعبدہ باز کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا تھا۔ وہ کچھ نہیں بول رہا تھا۔ اگر اس کے ہونٹ ہلتے۔ وہ کچھ بولتا تو یہ سمجھا جاتا کہ آواز بدل کر کبھی جاودانی آسمان اور کبھی چنگیز خاں کی روح بن کر بول رہا ہے۔ ایسے وقت قبیلے کے تمام شامان غصے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

ان کے ایک شامان نے چیختے ہوئے کہا۔ ”یہ سراسر فریبی ہے۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ دھوکا دے رہا ہے۔“

دوسرے شامان نے کہا۔ ”اے خاقان...! ہمیں اجازت دے۔ ہم اس کی مکاری ثابت کرنا چاہتے ہیں۔“

اوغدائی غصے سے لرزتے ہوئے ان شامانوں کو دیکھ رہا تھا، اس وقت جاودانی آسمان سے اور اپنے باپ کی روح سے بات کر رہا تھا۔ ایسے میں انہوں نے مداخلت کی تھی اور اسے غصہ دلایا تھا۔

ایک شامان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”تو ہمیں قتل کر دے۔ ہم اپنی جان سے جائیں گے مگر اس کا جھوٹ ثابت کر کے رہیں گے۔ اس وقت جاودانی آسمان تجھ سے بات نہیں کر رہا ہے اور نہ ہی تیرے باپ کی روح تجھ سے مخاطب ہے۔“

دوسرے شامان نے کہا۔ ”اگر اس وقت جاودانی آسمان بول رہا ہے تو اس سے بول کہ وہ ہم شامانوں پر عذاب نازل کرے۔ ہمیں ابھی جلا کر مار ڈالے۔“

ایک اور شامان نے کہا۔ ”اے خاقان! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا جاودانی آسمان صرف ہماری قبائلی زبان میں بولتا ہے۔ جبکہ اس وقت یہ ترکی زبان میں بول رہا ہے۔“

اس شعبدہ باز نے کہا۔ ”جاودانی آسمان دنیا کی کوئی بھی زبان بول سکتا ہے۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے اس لیے اس وقت ترکی زبان بول رہا ہے۔“

ایک شامان نے کہا۔ ”اگر وہ ہر زبان میں بول سکتا ہے تو اس سے بول کہ وہ ہماری قبائلی زبان میں بولے۔“

وہ شعبدہ باز مغلوں کی قبائلی زبان نہیں جانتا تھا۔ بری طرح پھنس گیا۔ اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت جاودانی آسمان صرف ترکی زبان میں بولنا چاہتا ہے۔ ہم ناچیز بندے اسے کوئی دوسری زبان بولنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔“

ایک اور شامان نے کہا۔ ”لیکن ہمارا اجداد اعظم چنگیز خان صرف قبائلی زبان جانتا تھا۔ کوئی دوسری زبان کبھی نہیں بولتا تھا۔ اسے ترکی زبان آتی ہی نہیں تھی۔ اے او شعبدہ باز...! اگر تُو سچا ہے تو خان اعظم کی روح سے بول کہ وہ اپنی قبائلی زبان میں اپنے بیٹے اوغدائی سے بات کرے۔“

شعبدہ باز نے کہا۔ ”اس کی روح بھی اس وقت مرضی کی زبان ہی بولے گی۔“

”اور اس لیے بولے گی کہ تُو ترکی زبان تو جانتا ہے لیکن ہماری قبائلی زبان نہیں جانتا۔ اس لیے جادوئی ہتھکنڈوں سے ترکی زبان میں آوازیں سنا رہا ہے۔“

شامانوں کی باتیں اوغدائی اور دوسرے لوگوں کی سمجھ میں آ رہی تھیں۔ اوغدائی نے اس شعبدہ باز سے کہا۔ ”میرا باپ صرف قبائلی زبان جانتا تھا۔ اس وقت ترکی زبان میں کیسے بول رہا ہے؟ اور جب وہ ترکی زبان میں بول سکتا ہے تو اپنی قبائلی زبان میں بھی بول سکتا ہے۔ لہٰذا میں اپنی ہی زبان میں اپنے باپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ شعبدہ باز اپنی بازی گری کی دلدل میں دھنس چکا تھا۔ وہ ان کی قبائلی زبان میں بولنے والا کوئی شعبدہ نہ دکھا سکا۔ اپنی سچائی ثابت نہ کر سکا۔ اوغدائی غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی مسند پر آ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”ہمارے شامان سچے ہیں۔ میں انہیں حکم دیتا ہوں کہ اس شعبدہ باز کو اپنے ہاتھوں سے سزا دیں اور اس طرح ہلاک کریں کہ یہاں باہر سے آنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ وہ اپنے ملکوں میں جا کر بتائیں کہ ہم مغلوں سے جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟“

وہ تمام شامان اُس شعبدہ باز پر پل پڑے۔ اسے ادھر سے ادھر دوڑا دوڑا کر خنجر کی نوک چبھونے لگے۔ وہ بھی تلوار سے اس کا ایک ہاتھ کاٹ کر فضا میں اچھالتے تھے۔ تو کبھی کٹے ہوئے ہاتھ سے جو لہو فوارے کی صورت میں نکلتا تھا اسے وہ چاروں طرف گھما کر اس لہو سے ایک دوسرے کو رنگتے تھے۔ انہوں نے خنجر کی نوک سے اس کی آنکھیں نکال دیں۔ وہ چیخیں مار رہا تھا۔ زمین پر تڑپ رہا تھا مر جانا چاہتا تھا مگر اس کی جان نہیں نکل رہی تھی۔ ایک شامان نے خنجر کی نوک سے اس کے سینے کو چیر کر اس کے دل کو مٹھی میں جکڑ کر باہر کھینچ لیا پھر مٹھی کو فضا میں بلند کرتے ہوئے ناچنے لگا۔ مہذب ملکوں سے آئے ہوئے مہمان وحشیوں کا یہ شیطانی تماشا دیکھ رہے تھے اور تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے ساتھ رہنے والے مغل ان کو سمجھا رہے تھے کہ وہ خاطر جمع رکھیں۔ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

☆☆☆

وہ موسم سرما کا آغاز تھا۔ سپہ سالار اعظم سوبودائی نے حکم دیا کہ چغتائی، اوغدائی اور باطو کی فوجیں یکجا ہو جائیں۔ اس بار شمالی روس کا خاتمہ کیا جائے گا۔ سردی کی شدت سے بہتے ہوئے دریا کا پانی جم جاتا ہے۔ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک سخت برفانی چٹان بن جاتا ہے۔ اس پر سے ہمارے سپاہی اور ہماری گاڑیاں گزر سکتی ہیں۔ ہم آسانی سے دریا پار کر سکتے ہیں۔

سوبودائی کے فیصلے کے مطابق خان اعظم اور دوسرے سرداروں کی تمام فوجیں یکجا ہو گئیں اور وہاں سے شمالی روس کی طرف بڑھنے لگیں۔ فوج کے سپاہی راستے میں مویشی اکٹھا کرتے جاتے تھے۔ تاکہ آگے جا کر خوراک کی کمی نہ ہو۔ تھوڑے تھوڑے فاصلوں پر گھوڑوں کے چارے کے گودام بنا دیے گئے تھے۔ ان کے ساتھ بیل گاڑیاں چرچراہٹ کی آوازیں پیدا کرتی ہوئی چل رہی تھیں۔ ان گاڑیوں پر منجنیقیں، مختلف قسم کے ہتھیار اور آتشی گولا بارود لدا ہوا تھا۔ اب وہ مغل وحشی گندھک اور دوسرے آتش گیر مادے کا استعمال سیکھ گئے تھے۔

ایک سپاہی کے ساتھ ایک سے زیادہ گھوڑے تھے۔ ان کے سروں پر سمور کی ٹوپیاں تھیں۔ سردی سے بچنے کے لیے سر سے پاؤں تک سمور کا لباس تھا، جو انہیں موسم کے مقابلے میں قدرے گرم رکھتا تھا۔ ان کے گھوڑوں کے ساتھ کمندیں اور رسیاں تھیں۔ دلدل سے گزرتے وقت یا چڑھائی چڑھتے وقت ان رسیوں کے ذریعے گاڑیوں کو کھینچا جاتا تھا۔ ہر سوار کے ساتھ جو کے تھیلے نمک کی تھیلی اور پکانے کا مختصر سا سامان رکھا گیا تھا۔ برفانی طوفانوں سے پناہ لینے کے لیے بھاری بھرکم خیمے تھے۔ وہ مغل وحشی سخت سردیوں میں آرام کرنے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے۔ آگے اور آگے بڑھتے ہی چلے جاتے تھے۔

روسی باشندے سردیاں گزارنے کے لیے اپنے شہروں اور گاؤں کی چھوٹی فصیلوں میں رہتے تھے۔ وہ جنگجو قوم تھے۔ غلاموں اور سموروں کی تجارت کے باعث بہت خوشحال تھے۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے وطن سے باہر نکل کر دور دراز کے ملکوں تک سفر نہیں کیا تھا۔ وہ صرف دست بہ دست تلواروں سے لڑنا جانتے تھے اور کسی طرح کی لڑائی سے ناواقف تھے۔

منگو اور باطو اپنی فوج کو سب سے آگے بڑھا کر دریا خالکا کے کنارے آ گئے تھے۔ وہاں انہوں نے جنوبی رئیسوں کی فوج پر حملہ کیا اور ایک ایک کو چُن چُن کے قتل کر دیا۔ یہ شمالی روس میں ان کی پہلی کامیابی تھی۔

ناروگرود کے راہبوں نے اگست کی تیسری تاریخ کو سورج میں ایک خاص نشان دیکھا تھا۔ اس نشان کی صورت یہ تھی کہ سورج کے مغربی جانب تاریکی سی تھی۔ یہ نشان تاریکی

اور بربادی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

ان راہبوں نے ریاز ان کے رئیسوں کے پاس قاصد بھیجے۔ ولادی میر کے رئیسوں سے بھی مدد مانگی۔ لیکن وہ سب اپنی اپنی جگہ اپنے اپنے حال میں مست تھے۔ کوئی ایک دوسرے کی مدد کو نہیں آیا۔ رئیسوں کو بیرونی حملہ آوروں کی طرف سے خطرہ ضرور تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ مغل وحشی کیا چیز ہیں اور کس طرح قہر الٰہی بن کر نازل ہونے والے ہیں؟

جب ان کی منجنیقوں نے شعلہ باری کی اور ان کی کاٹھ سے بنی ہوئی فصیلیں راکھ ہونے لگیں تب وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر بھاگنے لگے۔ وہ کاٹھ کی فصیلوں کو بہت مضبوط سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ حملہ کرنے والے ان فصیلوں کی دیواروں کو توڑ نہیں سکیں گے۔

لہٰذا وہ شہر مقتل بن گیا۔ مردوں کے پیچھے گھوڑے دوڑاتے ہوئے انہیں قتل کیا گیا۔ شہر کی برف پوش زمین ان کے لہو سے سرخ ہوتی چلی گئی۔ انہیں زندہ آہنی سیخوں پر چڑھا دیا گیا۔ سیخوں سے چھدنے کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر جان دیتے تھے جو پادری کلیساؤں میں جا کر چھپ گئے تھے۔ انہیں بھیڑوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ جو عورتیں کلیساؤں میں پناہ لینے گئی تھیں۔ ان پر تو قیامت ٹوٹ پڑی۔ پہلے عصمت دری کے ذریعے پھر تیز تلواروں اور کلہاڑی کے ذریعے ان کے چیتھڑے اڑا دیے گئے۔

وہ وحشی منجمد دریاؤں کی تہ پر سے گزرتے ہوئے ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک پہنچتے جا رہے تھے۔ روسی شہر سوزدال، روستوف، یاروسلاول اور کولومنا ندی کو تسخیر کرتے اور منہدم کرتے جا رہے تھے۔ ماسکو شہر اس زمانے میں بہت چھوٹا سا تھا۔ انہوں نے اس شہر کو اس طرح آگ لگائی کہ وہاں کوئی مکان اور کوئی مکین زندہ نہ بچا۔

کولومنا ندی کے کنارے روسی فوج کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ روس کا سب سے مضبوط قلعہ ولادی میر تھا۔ وہاں بھی مغلوں نے موت کی جھاڑو پھیر دی۔ وہاں ایک زندہ بچ جانے والے صحیفہ نگار نے لکھا ہے۔ ''اس طرح خدا نے اس وحشی قوم کے ذریعے ہمیں اپنی طاقت سے محروم کر دیا۔ ہمیں خوف و اضطراب میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ آسمان پر بادل گرجتے تو ہمیں یوں لگتا جیسے مغل موت بن کر آ گئے ہوں۔

وہ وحشی جس شہر میں پہنچ کر موت کا رقص کرتے تھے وہاں اناج اور مویشیوں کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ جب وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بڑھتے تو ان کے چھکڑے مال غنیمت سے بھرے ہوتے تھے۔ وہ مویشیوں اور گھوڑوں کے گلوں کو ہنکا کر لے جاتے تھے۔ اناج اور گھوڑے کے چارے کو کبھی آگ نہیں لگاتے تھے۔ جہاں قیام کرتے تھے۔ وہاں کے دیہاتیوں کو اتنے عرصے تک زندہ رکھتے تھے جب تک کہ وہ اناج اور چارے کی فصل کاٹ لیتے پھر انہیں قتل کر دیتے تھے۔ ان بیچاروں کو اپنا اگایا ہوا اناج بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔''

ان ہی دنوں اوغدائی کو بیماری نے آ دبوچا۔ طبیب اس کا علاج کر رہے تھے لیکن اسے طبیبوں سے زیادہ شامانوں پر بھروسا تھا۔ کتنے ہی تجربہ کار شامان اس کے یورت کے آس پاس جمع ہو گئے تھے اور ڈھول بجا بجا کر منتر پڑھ رہے تھے۔ اس طرح اس کے اندر آنے والی بیماری کو بھگا رہے تھے۔

دوسرے دن اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ شامان خوش ہو گئے پھر ان کی ساحری کا بھرم رہ گیا تھا۔ ایسے وقت سیور قوقطنی کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ اس کی عیادت کے لیے آئی۔ اوغدائی نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا اور بڑی خوشی کا اظہار کیا پھر اس کے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر شراب پینے لگا۔ توراکینہ نے کہا۔ ''تجھے اس بیماری میں پینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔''

اس نے کہا۔ ''کیا تو نہیں دیکھ رہی کہ سیور قوقطنی کی بہن آپس کی رنجش مٹانے میری عیادت کے لیے آئی ہے؟ تو کیا سمجھتی ہے میں پینا چھوڑ دوں گا تو موت میرا پیچھا چھوڑ دے گی؟ جا چلی جا... میں نے سمجھ لیا ہے کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے۔''

توراکینہ بڑبڑاتی ہوئی یورت سے باہر چلی گئی۔ اوغدائی نے سیور قوقطنی کی بہن سے کہا۔ ''میری طاقت اب ختم ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ جاودانی آسمان مجھے کچھ اور روز زندہ رکھے گا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ موت اب تب میں آنے ہی والی ہے۔''

اس نے پیالے بھر بھر کر پیے۔ پھر اپنے مہمانوں سے غافل ہو گیا۔ سیور قوقطنی کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ وہاں سے چلی آئی۔ اسی رات اوغدائی نیند کی حالت میں مر گیا۔

دوسری صبح جب وہ اپنے بستر پر مردہ پایا گیا تو ماتم شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی سیور قوقطنی کی بہن پر الزام لگایا گیا کہ اس نے خاقان کو زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ خاقان کو قتل کرنے کی سزا ایسی تھی کہ قوقطنی کی بہن کے پورے خاندان کو نیزوں پر اچھال دیا جاتا۔ ان کے گھروں کو آگ لگ

جاتی۔ ان کے ننھے سے بچے کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا۔

یہ بہت بڑا الزام تھا۔ توراکینہ کو قوقطنی سے انتقام لینے کا موقع مل رہا تھا لیکن وہ انتقامی کارروائی کا وقت نہیں تھا۔ ایک تو وہ اپنی بیوگی کا ماتم کر رہی تھی۔ دوسری اہم بات فی الوقت اوغدائی کی موت کو چھپانا تھا۔ یہ خبر باہر تک قوقطنی ماتم کرنے کے بہانے پھر اس قبیلے میں ... اوغدائی کی تدفین کے بعد ہی اپنے بیٹے منگو کو خان بنانے کے لیے وہاں کے سرداروں سے گٹھ جوڑ شروع کرتی۔

توراکینہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ یہ خبر اس سوتیلے جوجی کے بیٹے باطو تک پہنچے۔ وہ باطو کو اپنے بیٹے قویوق کا بدترین دشمن سمجھتی تھی۔ خان اعظم کا سایہ قویوق کے سر سے اٹھتے ہی وہ جانی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

پھر یہ کہ مغل قبیلے کے ایک طاقتور سردار ایلجی دائی نویان نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ قوقطنی کی بہن کو خواہ مخواہ الزام دیا جا رہا ہے۔ ہمارا خاقان اتنا نادان اور کمزور نہیں تھا کہ کسی عورت کے ہاتھوں سے زہر پی کر مر جاتا۔ وہ تو ضرورت سے زیادہ پینے کا عادی تھا۔ اس کی بلانوشی نے اسے مار ڈالا ہے۔

بے شمار سرداروں نے سردار ایلجی دائی نویان کی تائید کی۔ توراکینہ کو بھی مشورہ دیا کہ ابھی خاقان کی موت کی خبر قبیلے سے باہر نہیں جانی چاہیے۔ سب سے پہلے قویوق کو یہاں بلایا جائے۔

سیور قوقطنی کوئی معمولی عورت نہیں تھی۔ وہ سیاسی کھیل کھیلنا جانتی تھی۔ اس نے توراکینہ اوغدائی کے خانوادے میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ ایک جاسوس نے خاقان کی موت کی خبر اس کے پاس پہنچا دی۔ قوقطنی نے اپنے ایک گھڑ سوار سے کہا۔ ''اگرچہ شمالی روس میں برف باری ہو رہی ہے۔ ان علاقوں سے گزرنا بہت مشکل ہے۔ پھر بھی تجھے کسی طرح باطو تک پہنچ کر خاقان کی موت کی خبر پہنچانی ہے۔''

وہ گھڑ سوار بہت ہی جی دار اور سخت جان تھا۔ کڑاکے کی سردی میں ایشیا کے اس پار گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔ اگرچہ وہ بہت کم سوتا تھا اور صبح سے پہلے ہی اگلی منزل کی طرف چل پڑتا تھا۔ اس کے باوجود پانچ ہزار میل کا دشوار گزار برفانی رستہ ڈھائی ماہ میں طے کیا۔

باطو نے اوغدائی کی موت کی خبر سن کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ اسے ایک طرح کی آزادی مل گئی تھی۔ اوغدائی کی موت کے بعد چنگیز خاں کے خاندان میں سب سے زیادہ بزرگ وہی تھا۔ جہاں تک چغتائی کا تعلق تھا، وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ کثرت شراب نوشی کے باعث اس کی صحت روز بروز گرتی جا رہی تھی۔

وہ شمالی روس سے نکل کر جنوبی علاقے میں آ گیا۔ سیور قوقطنی کے علاقے سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر پہنچ گیا۔ وہاں سے دونوں کے درمیان بہ آسانی رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ ہر روز ان کے کئی قاصد ایک دوسرے کا پیغام لے کر جاتے تھے اور جواب لے کر آتے تھے۔ سیور قوقطنی نے کہلا بھیجا۔ ''بیٹے باطو! دستور کے مطابق جب تک نئے خان اعظم کا انتخاب نہیں ہو گا تب تک توراکینہ پورے مغل قبیلے کی ملکہ رہے گی۔ تجھے انتخاب کے وقت قرولتائی میں رہنا چاہیے۔''

باطو نے کہا۔ ''میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ چنگیزی یاسا کے مطابق ایک ناجائز باپ کے بیٹے کو کوئی خان اعظم تسلیم نہیں کرے گا۔ البتہ میں اپنے دوست اپنے بھائی منگو کی حمایت میں بول سکتا ہوں۔ لیکن صرف میرے اور تیرے حمایت کرنے سے بات نہیں بنے گی۔''

سیور قوقطنی نے کہا۔ ''کتنے ہی مغل سردار ہمارے حمایتی ہیں۔ قرولتائی میں وہ تمام سردار ہماری حمایت کریں گے۔''

وہ بولا۔ ''میرا مشورہ ہے کہ ابھی قویوق کو خان اعظم بننے کا موقع دیا جائے۔ وہ بہت ہی کمزور حکمران ثابت ہو گا۔ توراکینہ نے کئی سرداروں کی زمینیں ضبط کی ہیں۔ تُو انہیں اپنی طرف سے زمینیں عطا کر۔ میں یہاں سے ان سب کے لیے بیش قیمت تحائف بھیجتا رہوں گا۔ ہمیں بڑی ہی حکمت عملی سے توراکینہ اور اس کے بیٹے کو کمزور بنانا چاہیے۔''

توراکینہ اور چغتائی کے تمام بیٹے بڑی نفرت سے باطو کو حرام زادہ کہتے تھے۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ اس کے باپ جوجی اور اس کی دادی بورتائی نے بچپن ہی سے سمجھایا تھا۔ ''کبھی مغل خاندان کے کسی فرد کے خلاف تلوار نہ اٹھانا۔ تیرے باپ جوجی کو اسی لیے روس کا علاقہ دیا گیا ہے کہ تُو ان سے ہزاروں میل دور رہا کرے لیکن ان کے ساتھ وفاداری شرط ہے۔''

جب باطو چھ برس کا تھا تب ہی اس کی ماں مر گئی تھی۔ شینا نے اسے بھرپور محبت اور ممتا دی تھی۔ چونکہ وہ کبھی ماں نہ بن سکی تھی۔ اس لیے اپنی تمام ممتا اس پر نچھاور کرتی تھی۔ باطو کو مغل خاندان سے کئی زخم لگے تھے۔ سب سے پہلا اور گہرا زخم یہی تھا کہ وہ ایک ناجائز باپ کا بیٹا تھا۔ دوسرا زخم یہ لگا کہ اس کے باپ جوجی کی موت کے بعد اس کی ماں شینا کو اس سے چھین لیا گیا تھا۔ چغتائی، اوغدائی اور تولوئی

اپنے لشکر کے ساتھ وہاں آئے تھے اور یہ کہہ کر شینا کو وہاں سے لے گئے تھے کہ اب وہ اس کے دادا چنگیز خاں کی ملکیت بن کر رہے گی۔ باطو نہیں چاہتا تھا کہ اس کی ماں پر کسی اور مرد کا سایہ پڑے۔ لیکن وہ اس سلسلے میں اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ چنگیز خاں اس کا دادا بھی تھا اور خان اعظم بھی...

شینا نے وہاں سے جاتے وقت باطو کو سمجھایا تھا۔ ''بیٹے! میری جدائی برداشت کر۔ تُو جوجی کی موت کے بعد بہت بڑے علاقے کا حکمران بن چکا ہے۔ وہیں اپنے قدم جما۔ فوجی قوت زیادہ سے زیادہ حاصل کر۔ تقدیر کو منظور ہوا تو ہم ماں بیٹے پھر کبھی ضرور ملیں گے۔''

تقدیر کو ماں بیٹے کا ملاپ منظور نہیں تھا۔ جب وہ چنگیز خان کے پاس پہنچی تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ ایسے وقت باطو نے چغتائی کے پاس قاصد بھیجا اور کہا۔ ''دادا حضرت کا انتقال ہو چکا ہے۔ لہٰذا میری ماں مجھے لوٹا دے۔''

چغتائی کی طرف سے جواب ملا۔ ''شینا کو خان اعظم کی تدفین تک قراقرم میں رکھا جائے گا۔ پھر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ اسے کہاں جانا ہے اور کس کے ساتھ رہنا ہے؟''

باطو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اس کی ماں شینا کو اس کے دادا کے ساتھ قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے، ایسا ہوگا تو وہ یہ ظلم برداشت نہیں کرے گا۔ اس نے قاصد کے ذریعے کہلا بھیجا۔ ''میں تم سب سے التجا کرتا ہوں' میری ماں کو زندگی دی جائے۔ میں چاہوں گا کہ کسی بھی شرط پر اسے زندہ رکھا جائے۔''

بعد میں پتا چلا کہ اوغدائی' چغتائی اور تولوئی نے اس کی ماں کو دادا پر قربان ہونے نہیں دیا تھا۔ اگرچہ یہ سوچ کر ہی باطو کو برا لگ رہا تھا کہ وہ تینوں بھائی اس کی ماں کو داشتہ بنا کر رکھیں گے مگر وہ مجبور تھا۔ ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ ماں جہاں بھی ہے۔ جیسی بھی زندگی گزار رہی ہے۔ زندہ تو ہے اور جب تک زندہ رہے گی تب تک یہ آس رہے گی کہ وہ اسے کسی بھی حیلے بہانے سے اپنے پاس بلا سکے گا۔

اب اس نے چغتائی کے پاس پیغام بھیجا اور کہا۔ ''میرے دونوں چچا تولوئی اور اوغدائی مر چکے ہیں۔ تُو بہت بوڑھا ہو چکا ہے۔ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں۔ اب میری ماں کو آزاد کر دے۔ اسے میرے پاس بھیج دے۔''

چغتائی نے کہا۔ ''میں ایک شرط پر تیری ماں کو آزاد کر سکتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ تو اوغدائی کے بیٹے قویوق کے خان اعظم بننے پر اعتراض نہ کرے اور سیور قوقطنی کو بھی اعتراض کرنے سے باز رکھے۔''

باطو پہلے ہی سیور قوقطنی کو یہ سمجھا چکا تھا کہ [illegible] قویوق کو خان اعظم بننے دیا جائے۔ ہم آئندہ [illegible] کمزوریوں سے بہت فائدہ اٹھا سکیں گے اور وہ اس [illegible] راضی ہو گئی تھی۔ اس نے چغتائی سے کہا۔ ''میں [illegible] ہوں' میں اور قوقطنی کبھی قویوق کی مخالفت نہیں [illegible] گے۔ اسے خان تسلیم کر لیں گے۔ تُو میری ماں کو میرے [illegible] بھیج دے۔''

چغتائی نے کہلا بھیجا کہ جا۔ تیری ماں تجھے بخش دی [illegible] اسے تیرے پاس پہنچایا جا رہا ہے۔

☆☆☆

باطو نے اپنی جوان مردی سے روس کا زیادہ تر علاقہ [illegible] کیا تھا۔ صرف اس کے باپ جوجی کی پیدائش کا معاملہ [illegible] جس کے باعث وہ احساس کم تری میں مبتلا رہتا تھا۔ اس [illegible] طے کر لیا تھا کہ باقی دوسرے تمام پہلوؤں سے اتنی عزت [illegible] شہرت حاصل کرے گا۔ اس قدر رعب و دبدبہ قائم کرے [illegible] کہ ساری دنیا اس کے آگے سر جھکائے گی تب یہ دیکھ کر [illegible] اطمینان ہوگا کہ ایک پہلو سے کم تر کہلانے والا دنیا کے [illegible] برتروں کو اپنے آگے جھکا رہا ہے۔

وہ اعلیٰ [illegible] نے اپنی شخصیت کی تعمیر کرنے کے [illegible] رات مصروف رہتا تھا۔ رات کو دو چار پیالے [illegible] شراب نہیں پیتا تھا۔ کبھی کوئی حسینہ اسے اچھی لگتی' اپنی طرف [illegible] وہ اس کے ساتھ کچھ وقت گزار لیتا تھا۔ ورنہ عورتوں [illegible] کتراتا تھا۔ چونکہ ہوس پرست نہیں تھا۔ اس لیے اس [illegible] ایک ہی شادی کی تھی۔ اس کے بعد کوئی دوسری بیوی اپنے [illegible] میں نہیں لایا تھا۔

ایک بار اس کے مخبروں نے بتایا۔ ''گرجستان [illegible] زوسودان اس قدر حسین ہے کہ اسے دیکھنے والے [illegible] بھرتے رہ جاتے ہیں۔ وہ ملکہ بہت ہی عیاش اور ظالم [illegible] جو شخص اس کے دل و دماغ میں سما جاتا ہے وہ اسے اپنے [illegible] میں بلاتی ہے پھر اس کے ساتھ دن رات یوں گزارتی [illegible] جیسے اسی کی ہو کر رہ گئی ہو لیکن گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے [illegible] دیر نہیں کرتی۔ جب اس کا دل بھر جاتا ہے تو وہ اس شخص [illegible] کی فصیل پر سے نیچے گرا دیتی ہے۔ نیچے دور تک آگ [illegible] شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ اگر گرنے والا اٹھنے کے قابل [illegible] ہے تو فوراً شعلوں سے نکل کر بھاگنا چاہتا ہے تب [illegible] طرف کھڑے ہوئے سپاہی نیزوں سے مار مار کر اسے [illegible] آگ میں پھینک دیتے ہیں۔''

باطو نے کہا۔ ''پھر تو واقعی وہ انتہائی ظالم عورت [illegible] میں نے فتوحات حاصل کرنے کے لیے کبھی ادھر کا رخ [illegible] نہیں کیا۔ کیا گرجستان کے آس پاس ایسے حکمران نہیں ہیں جو [illegible] اسے زیر کر سکیں؟''

مخبر نے کہا۔ ''آس پاس کے حکمرانوں نے متحد ہو کر [illegible] اس پر فوج کشی کی تھی۔ لیکن ملکہ کی لشکری قوت کے آگے ٹھہر نہ [illegible] سکے۔ اگر تُو اس پر لشکر کشی کرے تو اس کے سارے کس بل [illegible] ڈھیلے پڑ جائیں گے۔''

باطو اپنا لشکر لے کر ادھر روانہ ہوا۔ آگے آگے ایک ایلچی کے ذریعے پیغام بھیجا۔ ''اے گرجستان کی ملکہ...! تجھے معلوم ہونا چاہیے۔ باطو خان پورے روس کا فاتح اعظم ہے۔ میری فتوحات کی گونج دور دور تک سنی جاتی ہیں۔ یقیناً تُو نے بھی سنی ہوگی۔ میں تجھ سے دوستی اور امن و امان چاہتا ہوں۔ میں تیرے لیے بیش قیمت تحائف لے کر آیا ہوں۔ میری دوستی قبول کر۔ قلعہ کا دروازہ کھول کر میرے استقبال کے لیے چلی آ۔''

ملکہ کی طرف سے جواب آیا۔ ''جو مرد میرے دل کو بھاتا ہے میں اسی سے دوستی کرتی ہوں۔ اگر تُو پسند آئے گا تب بھی میں تجھ سے دوستی نہیں کروں گی۔ کیونکہ تُو قلعے کے اندر اپنے مسلح سپاہیوں کے ساتھ آئے گا اور میں اس کی اجازت ہرگز نہیں دوں گی۔''

اس کا یہ جواب پا کر باطو نے حکم دیا۔ ''قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔ اس ملکہ کو کسی بھی چور دروازے سے فرار ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔''

اگرچہ قلعہ بہت مضبوط لکڑیوں سے بنوایا گیا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ باطو کے لشکر میں منجنیقیں ہیں۔ جن کے ذریعے بھاری بھرکم پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ لکڑی کی دیواریں خواہ کتنی ہی مضبوط ہوں۔ وہ پتھروں کی مار سے ٹوٹ جائیں گی۔

سپہ سالار نے ملکہ کے سامنے حاضر ہو کر کہا۔ ''باطو کے پاس منجنیقیں ہیں۔ اے ملکہ! تُو نے سنا ہوگا کہ مغل وحشی آتش گیر مادہ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے گولے جب دشمن کی فوج میں آ کر پھٹتے ہیں تو ان میں سے آگ نکلتی ہے اور لوہے کے نوکیلے ٹکڑے نکل کر جسم میں پیوست ہو جاتے ہیں۔ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔''

ملکہ زوسودان نے فصیل کی بلندی سے چاروں طرف پھیلے ہوئے لشکر کو دیکھا۔ اس نے سوچا کہ یہ تیروں اور تلواروں سے زیر نہیں ہوگا۔ اسے مکاری سے مارنا ہوگا۔

اس نے پیغام بھیجا۔ ''میں کل صبح تک کی مہلت چاہتی ہوں۔ اس کے بعد تجھ سے صلح کروں گی۔ تیرے لیے قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔''

وہ اپنے محل میں آ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔ ایک نوجوان خوبصورت لڑکی نے آ کر کہا۔ ''ماما...! باطو خان بہت زبردست ہے۔ اس بار تُو ایک مرد سے زیر ہوگی اور اس کے آگے دم نہیں مار سکے گی۔''

ملکہ نے غصے سے کہا۔ ''میں نے تجھے کتنی بار سمجھایا ہے کہ مجھے ماں نہ کہا کر... کیا تو چاہتی ہے کہ میں گدی سے تیری زبان کھینچ لوں؟''

''تو جو چاہتی ہے وہ کرتی ہے۔ گرجستان پر تیرے بھتیجے کا حق تھا۔ اس کو حکمران ہونا چاہیے تھا۔ لیکن تُو نے اسے اندھے کنویں میں پھکوا کر قیدی بنا کر رکھا ہے۔ وہ میرا عاشق ہے۔ میں تیری بیٹی ہوں۔ اس کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں۔ تو کیسی ماں ہے کہ مجھے بھیک بھی نہیں دیتی؟''

''میں اپنے بھتیجے اور تیرے عاشق زاؤدان کو رہا کروں گی تو وہ اپنے باپ کا یہ علاقہ مجھ سے چھیننے کی سازش کرے گا۔''

''میں کئی بار تجھ سے کہہ چکی ہوں' وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا۔ ہم دونوں تیرے تابعدار بن کر رہیں گے۔ جب تک تُو زندہ ہے۔ یہاں حکومت کرتی رہے گی۔ تیرے بعد وہ یہاں کا حکمران بنے گا۔''

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ ''حکومت کرنے کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنی اولاد پر بھی بھروسہ نہ کیا جائے۔''

ایسے وقت سپہ سالار نے حاضر ہو کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ ''اے ملکہ...! تیرے ایک ایک حکم کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ باطو خان یہاں جتنے سرداروں کے ساتھ آئے گا ان کی ضیافت کے لیے انواع و اقسام کے کھانے اور مشروب تیار کیے جا رہے ہیں۔ ان سب میں زہر ملا دیا جائے گا۔ اس محل کے باہر' قلعے کے اندر باطو کے جتنے سپاہی ہمارا پیش کیا ہوا کھانا کھائیں گے، مشروب پئیں گے وہ ہمیشہ کی نیند سو جائیں گے۔''

ملکہ نے کہا۔ ''ایک بات کا خیال رکھنا کہ اس محل میں پہلے باطو اور اس کے سرداروں کو ضیافت دی جائے گی۔ پہلے وہ زہریلا کھانا کھائیں گے۔ اگر ان سے پہلے باہر کے کچھ سپاہی کھائیں گے اور کچھ کھانے سے رہ جائیں گے تو زندہ بچنے والے شور مچانا شروع کر دیں گے کہ ان کے خلاف جان لیوا سازشیں ہو رہی ہیں۔ لہٰذا اس بات کا خاص خیال رکھا

جائے کہ پہلے میں بالطو اور سرداروں کی میزبانی یہاں کروں گی۔ پہلے انہیں موت کی نیند سلاؤں گی۔ اس کے بعد باہر سپاہیوں کو کھانا اور مشروب پیش کیا جائے گا۔"

سپہ سالار سر جھکا کر الٹے قدموں چلتا ہوا اس کمرے سے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ملکہ نے سوچتی ہوئی نظروں سے اپنی بیٹی کو دیکھا پھر کہا۔ "تو میری ایک ہی بیٹی ہے۔ مجھے تجھ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ بالطو اور اس کی فوج کو ٹھکانے لگانے کے بعد میں تیرے عاشق زاوؔدان کو رہا کر دوں گی۔ تیری شادی اس سے ہو گی اور تم دونوں میری نگرانی میں رہا کرو گے۔"

وہ آگے بڑھ کر ماں کے ہاتھ کو تھام کر بولی۔ "ماما...! تو بہت اچھی ہے۔ تو زاوؔدان کو رہا کر کے مجھے نئی زندگی دے گی۔"

وہ غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔ "تو پھر مجھے ماں کہہ رہی ہے۔ کیا بالطو اور سرداروں کے سامنے بھی یہی کہے گی؟ بے وقوف لڑکی وہ تیری جوانی دیکھ کر میری عمر کا اندازہ کریں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی میری عمر کا حساب کرے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے کانوں کو پکڑتے ہوئے بولی۔ "مجھ سے بھول ہو گئی۔ میں آئندہ کبھی تجھے ماما نہیں کہوں گی۔ تنہائی میں بھی نہیں کہوں گی۔"

ملکہ نے اس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے، اب جا یہاں سے۔"

وہ ہنستی گنگناتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ملکہ اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور ناگواری سے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ "حکومت وہی کر سکتے ہیں جن کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ میرے سینے میں پتھر ہے۔ بیٹی کی خوشی کی خاطر اس علاقے کے حکمران کو اندھے کنویں سے نکال کر اسے رہائی دے کر اپنے ایک دشمن کا اضافہ نہیں کروں گی۔ ایک نیام میں دو تلواریں اور ایک ملک میں دو بادشاہ کبھی نہیں رہتے۔ اب وہ اس اندھے کنویں میں قیدی بن کر نہیں رہے گا۔ میں خواہ مخواہ ایک سانپ کو پال رہی ہوں۔ آج رات اس کا کام تمام کر دوں گی۔"

دوسرے دن قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بالطو اپنے سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔ اس کے سپاہی ننگی تلواریں اور نیزے لیے ہوئے آگے آگے اس کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ اس طرح وہ محل میں داخل ہو گیا۔ اس وقت ملکہ بناؤ سنگھار میں مصروف تھی۔ اس نے بیٹی سے کہا۔ "مہمان آ گئے ہیں تو وہاں جا کر ان سے باتیں کر اور ہنس بول کر ان کا دل بہلاتی رہ۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

ثمر دان اس بڑے سے ہال کمرے میں آ گئی۔ بالطو اپنے سرداروں کے ساتھ آ کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے سامنے آ کر بولی۔ "میں ملکہ کی چھوٹی بہن ہوں۔ وہ آنے والی ہے۔ کیا تب تک تو مجھ سے بات کرنا پسند کرے گا؟"

اس نے کہا۔ "تو اتنی حسین ہے کہ کوئی بھی مختصر کرنا تو کیا تیرے ساتھ پوری زندگی گزارنا چاہے گا۔"

ایک سردار نے کہا۔ "بے شک، یہ اتنی حسین ہے تو جانے اس کی بڑی بہن اور کتنی حسین ہو گی؟"

ثمر نے بالطو سے کہا۔ "میں تجھ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے ساتھ ہوا دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں پہنچتے ہی ثمر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ کیوں رو رہی ہے؟"

وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی۔ "ملکہ گرجستان میری بہن نہیں، بلکہ میری ماں ہے۔ اپنی عمر چھپانے کے لیے اپنی چھوٹی بہن کہتی ہے۔ میں اسے ماں کہتی ہوں تو برا مانتی ہے اور مجھے سزا دیتی ہے۔"

وہ اسے تھپکتے ہوئے بولا۔ "کوئی بات نہیں، آنسو پونچھ لے۔ میں اسے حکم دوں گا کہ تو بیٹی ہے تو وہ یہ رشتہ قائم رکھے اور تجھے ماں کہنے کی اجازت دے۔"

وہ بولی۔ "بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔ دراصل گرجستان کا حکمران اس کا بھتیجا زاوؔدان تھا۔ وہ بڑا اچھا تھا۔ میں اس سے محبت کرتی تھی لیکن کل رات میری ماں نے اسے قتل کرا دیا۔ وہ ماں نہیں ہے ڈائن ہے۔ اپنی بیٹی کی خوشیاں بھی کھا جاتی ہے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بالطو نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ تیری ماں اپنے عاشقوں کے ساتھ راتیں گزارتی ہے پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "ہاں، تجھے اور تیری پوری فوج کو بھی بڑی چالبازی سے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنا چکی ہے۔ ابھی اس منصوبے پر عمل ہونے والا ہے۔ اسی لیے میں تجھ سے تنہائی میں بات کر رہی ہوں۔ ابھی یہاں سے جا کر اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے کہہ دے کہ کوئی یہاں کی کسی بھی کھانے پینے کی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ وہ سب زہریلی ہیں۔"

وہ یہ سن کر چونک گیا۔ وہاں سے جانے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "میری ایک بات سن لے۔ میری ماں کی اس سازش کو ابھی ظاہر نہ ہونے دے۔ تو کسی دوسری زبان میں سرداروں اور سپاہیوں کو سمجھا دے کہ وہ کھانے پینے سے پرہیز کریں۔"

وہ اسے کھینچ کر اپنے بازوؤں میں جکڑ کر چومتے ہوئے بولا۔ "تو بہت اچھی ہے۔ میں تجھے یہاں سے لے جاؤں گا۔ آئندہ تو میری عورت بن کر رہے گی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے سرداروں کے پاس آیا پھر اس نے مغلوں کی قبائلی زبان میں کہا۔ "یہاں ہمیں ہلاک کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ یہاں تم میں سے کوئی کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے، تم سب یہاں سے باہر جاؤ اور اپنی فوج کے ایک ایک سپاہی کو یہی بات سمجھا دو لیکن اسی زبان میں تاکہ یہاں کے دشمن سپاہی ہماری باتیں سمجھ نہ سکیں۔"

وہ تمام سردار وہاں سے چلے گئے۔ صرف اس کے چار مسلح محافظ رہ گئے۔ اس نے ثمر سے کہا۔ "میرے پاس آ اور مجھے اپنی ماں کے پاس لے چل۔"

وہ اس کے آگے آگے چلتی ہوئی محل کے مختلف حصوں سے گزرتی ہوئی ایک کمرے میں پہنچی۔ وہاں ملکہ سولہ سنگھار میں مصروف تھی۔ وہ بالطو اور چار مسلح سپاہیوں کو دیکھ کر ایک دم سے چونک گئی۔ اپنی بیٹی ثمر کو دیکھ کر بولی۔ "یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

بالطو نے آگے بڑھ کر ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کرتے ہوئے کہا۔ "تو زہریلی ناگن ہے۔ تیرے ساتھ ایسا بدترین سلوک کیا جائے گا کہ تو رحم کی بھیک مانگتی رہے گی لیکن تجھے بھیک نہیں ملے گی۔"

محل کے باہر تمام سرداروں نے تمام سپاہیوں کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا دی پھر انہیں حکم دیا۔ "فوراً دشمن سپاہیوں پر ٹوٹ پڑو۔ ایک ایک کو چن چن کر قتل کرو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔"

دشمن غافل تھے۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ بھید کھل چکا ہے۔ سب سے پہلے سپہ سالار کو قتل کیا گیا پھر سپاہیوں کے ساتھ دو بدو لڑائی ہوئی۔ یہ خبر گشت کرائی گئی کہ ملکہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ ان کی ملکہ گرفتار ہو گئی تھی اور سپہ سالار مارا گیا تھا۔ اب وہ کس لیے لڑتے؟ وہ تلوار پھینک کر اپنی جان کی امان چاہنے لگے۔

ثمر دان محل کے باہر بالطو کے ساتھ آئی۔ اس نے التجا کی۔ "یہ میرے ملک کے سپاہی ہیں۔ انہوں نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ ان کو جان کی امان دے۔"

بالطو نے انہیں امان دی۔ پھر اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے کہا۔ "ملکہ گرجستان بے شک حسین ہے۔ اس نے پتا نہیں کتنے مردوں کو ہوس کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تم میں سے جو اسے لوٹ کا مال بنانا چاہتا ہے وہ اندر جائے اور اس کے حسن و شباب کے چیتھڑے اڑا دے۔ لیکن اسے زندہ رکھے۔"

کتنے ہی بھوکے سردار اندر جا کر اس مغرور ملکہ پر پل پڑے۔ محل کے باہر اس کی چیخیں سنائی دینے لگیں۔ وہ رحم کی بھیک مانگ رہی تھی۔ لیکن کسی کو اس پر رحم نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے رہ رہ کر اس کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ بے ہوش ہو گئی تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ اسے فصیل کی بلندی پر پہنچا کر ہوش میں لایا گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

بالطو نے کہا۔ "چل اٹھ کر کھڑی ہو جا۔"

وہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "اب فصیل کے باہر دیکھ۔"

اس نے فصیل کی منڈیر کے پاس آ کر نیچے دیکھا۔ تو دور تک آگ کے شعلے لپک رہے تھے۔ وہ ایک دم سے گھبرا کر بالطو کو دیکھنے لگی۔

وہ بولا۔ "تو اپنے حسن و شباب پر بہت غرور کرتی تھی مگر تو دیکھ رہی ہے کہ میں نے تجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ میں تجھ پر تھوکتا ہوں۔"

اس نے آخ تھو کہہ کر اس پر تھوک دیا۔ پھر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے فصیل سے نیچے پھینک دیا جائے۔ وہ رونے اور گڑگڑانے لگی۔ لیکن سپاہیوں نے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ وہ چیخیں مار کر نیچے جاتی ہوئی آگ کے شعلوں میں گری پھر وہاں سے اٹھنے کے قابل نہ رہی مگر آگ اس طرح جلا رہی تھی کہ وہ اپنی کمزوری بھول کر وہاں سے بھاگنے لگی۔ لیکن وہ جدھر جا رہی تھی۔ ادھر سپاہی اسے نیزوں سے چھید رہے تھے اور اسے اٹھا کر بار بار آگ میں پھینک رہے تھے۔ مغل سپاہی موت کا ایسا کھیل بڑی دلچسپی سے کھیلتے تھے۔ آخر وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو گئی۔

بالطو نے ثمر کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کہا۔ "میں نے عہد کیا تھا کہ ایک کے بعد دوسری شادی نہیں کروں گا۔ لیکن تو نے میرا دل جیت لیا ہے۔ میرا عہد توڑ دیا ہے۔ میں تجھے اپنی شریک حیات بنا کر رکھوں گا۔"

☆☆☆

تقریباً پندرہ برس بعد ایک ماں کو اس کے بیٹے باطو کے پاس واپس بھیجا گیا۔ ان پندرہ برسوں میں تینوں بھائیوں نے اس بیچاری کو اچھی طرح نوچا کھسوٹا تھا۔ وہ بیمار بیمار سی لگ رہی تھی۔ اس پر بڑھاپا طاری ہو گیا تھا۔ باطو نے اسے سینے سے لگا کر خوب پیار کیا۔ پھر دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اپنے محل میں لے آیا۔ وہ بیٹے سے بول رہی تھی مگر شرمندہ تھی۔ جیسی زندگی گزار کر آئی تھی۔ اسے یاد کر کے رو رہی تھی۔ اس سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

باطو نے سر جھکا کر کہا۔ "مغل خاندان سے نہ میرا لہو کا رشتہ ہے نہ تیرا ہے۔ انہوں نے تیرا لہو نچوڑ لیا ہے اور میں ان کے خلاف کچھ کر نہیں پا رہا ہوں۔ مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔"

وہ بولی۔ "غصہ تھوک دے۔ اب کسی سے انتقام لینے کا وقت گزر چکا ہے۔ اوغدائی اور تولوئی مر چکے ہیں۔ چغتائی اگرچہ زندہ ہے۔ لیکن بہت بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے۔ پھر یہ کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں مجھ پر مہربان ہوتا رہا تھا۔ تورا کینہ اور اس کی بہو اوغول غائمش مجھ سے بہت برا سلوک کرتی تھیں۔ اپنے گندے اور ناپاک کپڑے دھلواتی تھیں۔ انہوں نے مجھے بھنگن بنا رکھا تھا۔ جب چغتائی کو معلوم ہوا تو وہ مجھے وہاں سے لے گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میری خواہش کیا ہے؟ میں نے کہا۔ "میں اپنے بیٹے باطو کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ ایسے ہی وقت تُو نے اس سے میرا مطالبہ کیا تو اس نے فوراً مجھے یہاں بھیج دیا۔"

وہ بولا۔ "سب ہی خود غرض اور مطلب پرست ہیں۔ اس نے تجھے یوں ہی میرے پاس نہیں بھیجا ہے۔ پہلے اپنی شرط منوائی ہے کہ ہم تویوق کے خان اعظم بننے پر اعتراض نہیں کریں گے۔ میں تھوکتا ہوں اس پر اور اس کے اعلیٰ عہدے پر۔ مجھے میری ماں مل گئی مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

اس نے ھینا کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔ "یہ سن کر غصہ آ رہا ہے کہ تورا کینہ اور اس کی بہو نے تیرے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ تجھے بھنگن بنا کر رکھا۔ جاودانی آسمان کی قسم میں بہت مشکل سے غصہ برداشت کر رہا ہوں۔ یہ اندازہ لگا رہا ہوں کہ تویوق زیادہ عرصے خان اعظم بن کر نہیں رہ پائے گا۔ میں مناسب وقت دیکھ کر بغاوت کروں گا۔ وہ میری سرکوبی کے لیے ادھر آئے گا تو پھر واپس نہیں جا سکے گا۔ اس کے بعد میں تورا کینہ اور اوغول غائمش سے تیرا بدلہ ضرور لوں گا۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے چنگیز خاں کے بیٹوں اور پوتوں کے ذریعے بڑی ذلتیں اٹھائی تھیں۔ وہ اسے حرام زادہ کہتے تھے۔ ایسے ہوس پرست تھے کہ انہوں نے اس کی ماں کو ایک بہت بڑی گالی بنا دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سیورقوقطنی کے تعاون سے اپنی ذلتوں کا بدلہ لے سکے گا۔

اوغدائی اور تورا کینہ کے بیٹے تویوق کو خان اعظم بنانے کے لیے قوریلتائی منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں سیورقوقطنی حاضر ہوئی۔ لیکن باطو نہیں آیا۔ چغتائی نے تویوق کو سمجھایا کہ اس کے نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تیرے جو بھی مخالفین ہیں انہیں تجھ سے دور رہنا چاہیے۔

تورا کینہ نے کہا۔ "سیورقوقطنی مخالفت کے باوجود یہاں آئی ہوئی ہے۔ میں سمجھ رہی تھی وہ میرے بیٹے کی مخالفت کرے گی۔ لیکن وہ بالکل چپ ہے اور ہم میں سے کسی کی مخالفت میں کچھ نہیں بول رہی ہے۔"

چغتائی نے کہا۔ "یہ اچھا ہی ہے کسی بحث یا تکرار کے بغیر تیرا بیٹا خان اعظم بن رہا ہے۔"

تویوق ہمیشہ بیمار رہا کرتا تھا۔ جسمانی طور سے اس حد تک کمزور تھا کہ صبح سے شام تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ میدان جنگ میں اپنی فوج کے پیچھے رہ کر چیخ چیخ کر احکامات صادر کرتا تھا۔ اس کی قوت فیصلہ بہت کمزور تھی۔ وہ اپنے معتمد خاص کے مشوروں پر عمل کیا کرتا تھا۔ سونے پر سہاگا یہ کہ شام سے صبح تک شراب پیتا رہتا تھا اور حسین عورتوں کی آغوش میں لوٹ پوٹ کر راتیں گزار دیتا تھا۔ ایسی حرکتوں سے اس کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی مگر وہ عیاشیوں سے باز نہیں آتا تھا۔

اسے اکثر مالیخولیا ہو جاتا تھا۔ وہ نیم پاگل سا ہو کر اپنے آنجہانی باپ اوغدائی کے خلاف بولتا تھا کہ اس نے کبھی اسے اہمیت نہیں دی۔ اس کے بجائے اس کے بیٹے یعنی اپنے پوتے شیرامون کو خان اعظم کے لیے نامزد کیا تھا۔

تورا کینہ اپنے بیمار بیٹے کی غفلت اور بے پروائی کے باعث خود ہی سارے انتظامات سنبھالتی تھی اور اہم احکامات صادر کیا کرتی تھی۔ ایک ایرانی کنیز تورا کینہ کی بہت رازدار خادمہ تھی۔ جن دنوں وہ تینوں بڑی محبت اور اتحاد سے رہتے تھے۔ ان دنوں وہ کنیز ان کے خیموں میں جایا کرتی تھی اور ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بھید لایا کرتی تھی۔ اس نے تورا کینہ کو سیورقوقطنی کے خلاف خوب بھڑکایا تھا۔

وہ کنیز ایسی سرچڑھی تھی کہ کبھی کبھی تورا کینہ کی اجازت کے بغیر اپنے مطالبات منوا لیتی تھی۔ تورا کینہ اس کی اس حرکت سے ناراض نہیں ہوتی تھی۔ مسکرا کر ٹال دیتی تھی۔ اسے ایک کنیز سے زیادہ سہیلی بنا کر اپنے ساتھ رکھتی تھی۔

تویوق کے معتمد خاص نے کہا۔ "اے خاقان! تیری ماں تورا کینہ آج بھی اس قبیلے کی ملکہ بنی ہوئی ہے۔ تیری لاعلمی میں اہم احکامات صادر کرتی رہتی ہے۔ اگر یہی ہوتا رہا تو تیرا رعب و دبدبہ قائم نہیں ہو گا۔ تُو ذرا آنکھیں کھول کر دیکھ۔ پوری مغل قوم تجھ سے زیادہ تیری ماں سے مرعوب رہتی ہے۔"

تورا کینہ اپنے جن احکامات پر خاقان کی مہر لگاتی تھی۔ تویوق نے وہ مہر اس سے لے لی۔ سختی سے کہا۔ "آئندہ تُو کوئی حکم صادر نہیں کرے گی۔"

وہ غصے سے بولی۔ "تُو اپنے تمام فرائض کی ادائیگی نہیں کر پاتا۔ رات بھر شراب اور شباب میں ڈوبا رہتا ہے اور دن [illegible] رہتا ہے۔ ان حالات میں تجھے اپنی ماں پر بھروسا کرنا چاہیے۔"

وہ بولا۔ "میں نے شراب کم کر دی ہے۔ کبھی کبھی کسی منتخب حسینہ سے دل بہلاؤں گا مگر حکومتی معاملات سے خود ہی نمٹا کروں گا۔"

اس کے بعد وہ اپنی ذمے داریاں نبھانے لگا۔ معتمد خاص نے کہا۔ "وہ ایرانی کنیز تیری ماں پر بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ تیرے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اگر اسے اور زیادہ سر چڑھایا گیا تو تیری ماں اس کی پشت پر رہ کر حکومت کرتی رہے گی۔ وہ کم بخت شامانوں سے ملی رہتی ہے۔ یقیناً تجھ پر اور تیری ماں پر جادو کراتی ہے۔"

تویوق نے حکم دیا کہ اس کنیز کو اس کی ماں کے خیمے سے گرفتار کر کے لایا جائے۔

جب سپاہی اسے گرفتار کرنے پہنچے تو تورا کینہ اور اوغول غائمش اعتراض کرنے لگیں۔ اوغول نے تویوق کے پاس آ کر پوچھا۔ "تجھے کیا ہو گیا ہے؟ پہلے تُو نے ماں کے خلاف اقدامات کیے۔ اب اس کی کنیز کو گرفتار کر رہا ہے۔ وہ بہت ہی خدمت گزار خادمہ ہے۔ تیری ماں کو بہت آرام پہنچاتی ہے۔ تُو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچا۔"

سپاہی اپنے خاقان کے حکم سے مجبور تھے۔ وہ ملکہ کے خیمے سے کنیز کو پکڑ کر لے آئے۔ تویوق نے اپنی بیوی سے کہا۔ "اوغول! تُو نہیں جانتی یہ در پردہ مجھ پر اور میری ماں پر جادو کراتی رہتی ہے۔ ابھی اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔"

حقیقت معلوم کرنے کے لیے شامانوں کو بلایا گیا۔ ایک شامان نے کہا۔ "اسے ننگا کیا جائے۔ کیونکہ جادو لباس کے اندر چھپا ہو سکتا ہے۔"

اس کنیز کو سب کے سامنے برہنہ کیا گیا پھر سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ اس کی پٹائی کریں اور اس سے اقرار کرائیں کہ یہ خود جادو کرتی ہے یا کسی سے کراتی ہے؟

اس کنیز نے کبھی یہ کام نہیں کیا تھا۔ وہ انکار کرنے لگی مگر اس قدر پٹائی ہوئی کہ وہ بوکھلا کر اعتراف کرنے لگی۔ "ہاں میں جادو کرتی ہوں... ہاں میں چڑیل ہوں... میں سب کو کھا جانا چاہتی ہوں۔ مجھے معاف کر دے۔ مجھے آزاد کر دے۔ میں یہاں سے دور چلی جاؤں گی۔"

تویوق نے شامانوں سے پوچھا۔ "مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

ایک شامان نے کہا۔ "اسے آزاد نہ کیا جائے۔ یہ کہیں بھی جائے گی تو واپس چلی آئے گی۔"

ایک اور شامان نے کہا۔ "اسے مار ڈالا جائے لیکن مرتے ہی اس کے اندر کی چڑیل باہر نکل آئے گی اور سب کو نقصان پہنچائے گی۔"

تویوق نے پوچھا۔ "پھر کیا کیا جائے؟"

ایک اور شامان نے کہا۔ "اس کے جسم کے جتنے سوراخ ہیں انہیں بند کر دیا جائے۔ پھر اسے ہلاک کیا جائے۔ اس طرح چڑیل باہر نہیں نکل پائے گی۔"

شامانوں کے حکم کے مطابق چربی پگھلا کر کنیز کے دونوں کانوں میں ڈالی گئی۔ وہ برہنہ زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ تکلیف کی شدت سے چیختے ہوئے پھڑپھڑانے لگی۔ سردی کا موسم تھا۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ پگھلائی ہوئی چربی فوراً ہی جم جاتی تھی۔ اس کے دونوں کان بند ہو گئے۔ اس کے اندر کی چڑیل ان کانوں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

پھر چربی کو پگھلا کر اس کے ناک کے دونوں نتھنوں میں ڈالا گیا تو اس کا دم ہی نکل گیا پھر بھی اسے بخشا نہیں گیا۔ اس کے جسم کے تمام سوراخوں کو بند کر دیا گیا پھر اسے ندی کنارے لا کر اس کے ساتھ بھاری بھرکم پتھر باندھ کر اسے پانی میں ڈبو دیا گیا۔ وہ سب وہاں کھڑے رہے۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ چڑیل گہرائی میں پہنچ گئی ہے اور وہاں سے ابھر کر باہر نہیں آ سکے گی تو وہ مطمئن ہو کر واپس آ گئے۔

تورا کینہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر رہ گئی۔ اس کی رازدار سہیلی جیسی خادمہ کو بڑی بے رحمی سے ہلاک کر کے ندی میں ڈبو دیا گیا تھا۔ وہ کس سے فریاد کرتی؟ اسے پہلی بار پتا چلا کہ وہ اپنے بیٹے کو خان اعظم بنا کر خود بے دست و پا ہو گئی ہے۔ اس نے اپنی بہو سے کہا۔ "اوغول! تُو اس کی بیوی

ہے۔ کیا اپنے شوہر کو قابو میں نہیں کر سکتی؟ کیا تو نے نہیں دیکھا تھا کہ جب تک اوغدائی زندہ رہا' میں کس طرح اسے لگام دیتی رہی.....؟"

بہو نے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا میں کس طرح سے اسے لگام دوں؟ کس طرح اپنی طرف کھینچ کر رکھوں؟"

توراکینہ نے کہا۔ "وہ باطو سے سخت نفرت کرتا ہے۔ تُو اس کا دھیان ادھر موڑ دے۔ وہ اس سے نمٹنے میں مصروف رہے گا۔ اس کی عدم موجودگی میں ہم یہاں اپنی من مانی کر سکیں گی۔"

اوغول غامش نے ایک رات اس سے کہا۔ "تُو خوا مخواہ اپنوں کا دشمن بن رہا ہے۔ ماں کے خلاف تُو نے کیسے اقدامات کیے؟ پھر اس کی خدمت گزار کنیز کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لیکن جو تیرے اصلی دشمن ہیں۔ انہیں نظر انداز کر رہا ہے۔"

اس نے پوچھا۔ "کس دشمن کی بات کر رہی ہے؟"

"میں باطو خان کی بات کر رہی ہوں۔ تُو نے قرولتائی طلب کی۔ وہ اس میں حاضر نہیں ہوا۔ کیا تجھے اپنے دادا چنگیز خان کا قول یاد نہیں ہے کہ جو ہماری قرولتائی میں حاضر نہ ہو ہماری حکم عدولی کرے۔ اسے ایک بھاری پتھر کی طرح ندی میں گرا دینا چاہیے۔ تاکہ وہ پتھر پھر کبھی باہر نہ آسکے۔"

تو یوق سوچتی ہوئی نظروں سے اپنی بیوی کو دیکھنے لگا۔ وہ بولی۔ "کیا تجھے یاد نہیں ہے کہ باطو کا باپ جوجی جب تیرے دادا خان بابا کی قرولتائی میں حاضر نہیں ہوا تھا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں چغتائی' اوغدائی اور تولوئی کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ کیا تو مغل نہیں ہے؟ اپنے دادا چنگیز خاں کا پوتا نہیں ہے؟ باطو نے تیری حکم عدولی کی ہے۔ بغاوت کی ہے۔ پھر تُو اسے سزا کیوں نہیں دے رہا ہے؟"

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "میں تو اس کا سر کچلنے کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں مگر کیا کروں؟ چغتائی نے کہا تھا کہ قرولتائی میں باطو کی غیر موجودگی کو نظر انداز کر۔ اگر وہ یہاں آتا تو سیورقوقطنی اس کے کاندھے پر سوار ہو کر میرے خلاف بولنا شروع کر دیتی۔"

اوغول نے کہا۔ "اب تو مخالفت والی کوئی بات نہیں رہی۔ تُو خان اعظم بن چکا ہے۔ باطو قرولتائی میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ تُو اس پر بغاوت کا الزام لگا کر اس کا سر کچل سکتا ہے۔"

عورت اگرچہ مجبور' بے بس اور کمزور ہوتی ہے لیکن اس قدر چالاک بھی ہوتی ہے کہ ذرا سا بھی موقع ملتا ہے تو مرد کی لگام ہاتھ میں لے کر اسے اپنی مرضی کے مطابق ادھر سے ادھر موڑ دیتی ہے۔

اس نے تو یوق کو موڑ دیا۔ وہ سپہ سالار اعظم سوبودائی کو بلا کر بولا۔ "باطو قرولتائی میں حاضر نہیں ہوا تھا۔ اس نے سراسر باغیانہ روش اختیار کی تھی۔ اسے سزا دینا ہمارا فرض ہے۔ تُو تمام سپاہیوں کو حکم دے کہ ابھی ہتھیاروں سے لیس ہو کر گھوڑوں کی پیٹھ پر آ جائیں۔ ہم اس کا سر کچل دیں گے۔ ہمارے مغل خاندان میں کوئی حرام زادہ نہیں رہے گا۔"

سوبودائی نے باطو کو شانہ بہ شانہ رکھ کر بے شمار جنگیں لڑی تھیں۔ وہ اسے بہت پسند کرتا تھا۔ کبھی اس کے خلاف لشکر کشی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور موجودہ خان اعظم کے حکم سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے کہا۔ "اے خاقان! اب میں عمر رسیدہ ہوں۔ میرے جسم میں پہلے جیسی توانائی نہیں رہی۔ اب میں صبح سے شام تک گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھنے کے قابل نہیں رہا۔ میں اس جنگ میں حصہ نہیں لے سکوں گا۔ بہتر ہے کہ تُو ہی تمام فوج کی کمان سنبھال لے۔"

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے' ہم تیرے فرائض سے تجھے سبکدوش کرتے ہیں۔ اس مغرور باغی سے نمٹنا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ وہ ابھی ہمارے ارادوں سے غافل ہے۔ ہم اچانک ہی اس پر حملہ کریں گے تو زیادہ خون ریزی نہیں ہوگی اور وہ حرام موت مارا جائے گا۔"

سپہ سالار اعظم سوبودائی وہاں سے چلا آیا۔ اس سالار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے پینسٹھ معرکوں میں فتح حاصل کی تھی اور بتیس قوموں کو زیر کیا تھا۔ مشرق، مغرب اور شمال سے جنوب تک پوری مغل فوج اس کے آگے سر جھکاتی تھی اور وہ ہر علاقے کی فوج کا سردار تھا۔ وہ تجربہ کار جنگ باز سپہ سالار تھا کہ جس نے میدان جنگ میں کبھی کوئی غلطی نہیں کی۔ کبھی کوئی کمزوری نہیں دکھائی۔

باطو نے اس کے زیر سایہ رہ کر کئی جنگوں میں کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ وہ باطو کو پسند کرتا تھا۔ اسے بچانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے ایک رازدار ایلچی کے ذریعے پیغام بھیج دیا۔ "باطو! تجھے ہوشیار رہنا چاہیے۔ تو یوق ایک بڑے لشکر کے ساتھ تجھے ہلاک کرنے کے ارادے سے آ رہا ہے۔"

چغتائی کے بیٹے بوری اور بائی دار اپنی اپنی فوجیں لے کر تو یوق کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کے لاکھوں گھڑ سوار قطار در قطار چلے جا رہے تھے۔ ہزاروں اونٹوں پر اناج اور طرح طرح کے ہتھیار لدے ہوئے تھے۔

گوبی میں آندھی کی ریت سے بچنے کے لیے انہوں نے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کی زینوں کے اطراف بڑے بڑے نقارے بندھے ہوئے تھے۔ نقارچی انہیں زور زور سے بجاتے جا رہے تھے۔ چھوٹے بڑے ٹیلوں سے سنسناتی ہوئی طوفانی ہوائیں شور مچاتی گزر رہی تھیں۔ ان سے بھی اونچی آواز میں نقارے شور مچا رہے تھے۔ چھکڑوں پر منجنیقیں تھیں اور سمور کے خیمے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک خیمے میں تو یوق بیمار پڑا ہوا تھا۔ کتنے ہی طبیب اور شامان اس کا علاج کر رہے تھے۔

سیورقوقطنی کے چار بیٹے تھے منگو' قبلائی' ہلاکو اور اوریق بوغا... ان میں سے منگو اور قبلائی اپنی اپنی فوجیں لے کر باطو کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ ان تینوں کا متحدہ اور مشترکہ لشکر نیلی اور زرد جھیلوں کے پاس سے گزر رہا تھا۔ تو یوق مشرق سے مغرب کی طرف آ رہا تھا اور باطو مغرب سے مشرق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مغل قبیلے کے جنگجو افراد پہلی بار ایک دوسرے کے خلاف تلواریں تولنے کے لیے نکل پڑے تھے۔

تو یوق کا لشکر شاہینوں کی جھیل کے پاس آ کر ٹھہر گیا۔ باطو کا لشکر جھیل کے اس پار دور یا کے جنگل کے کنارے آ کر ٹھہر گیا۔ دشمن کی پیش قدمی کا انتظار کرنے لگا۔ باطو نے جہاں قیام کیا تھا' وہاں سے اس نے منگو اور قبلائی کی فوجوں کو اپنے دائیں بائیں بہت دور بھیج دیا تھا۔ وہ دو فوجیں برفانی دھند میں چھپی ہوئی تھیں۔ جنگی منصوبہ یہ تھا کہ تو یوق کا لشکر جب آگے بڑھے گا تو منگو اور قبلائی دائیں بائیں سے آ کر ان پر اچانک حملہ کریں گے۔

دوسرے دن شاہینوں کی جھیل کے پاس سے ایک گھڑ سوار آتا دکھائی دیا۔ اس کا منہ اور جسم اونی کپڑوں میں چھپا ہوا تھا۔ وہ تیز ہواؤں کو چیرتا ہوا گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جب قریب آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں حکم نامے کی طلائی لوح نظر آئی۔ وہ باطو کے سامنے پہنچ کر گھوڑے سے اتر کر دو زانو ہو گیا۔ باطو نے پوچھا۔ "کیا پیغام لایا ہے؟"

وہ سر جھکا کر اس طلائی لوح کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "خان اعظم تو یوق بیمار تھا' وہ مر چکا ہے۔"

باطو نے خوش ہو کر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "خس کم۔ جہاں پاک...."

پھر اس نے منشی سے کہا۔ "اس طلائی لوح کو پڑھ کر سنا۔"

تو یوق کے لشکر کے ساتھ توراکینہ' اوغول غامش اور چغتائی کے بیٹے بوری اور بائی دار کی بیویاں اور کنیزیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ توراکینہ نے اس طلائی لوح پر لکھا تھا۔ "میرا بیٹا مر چکا ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ رہا ہے۔ بادشاہ کے بغیر جنگ نہیں لڑی جاتی۔ لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں اور تجھ سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارا پیچھا نہ کرنا۔ ہمیں چالیس دن تک ماتم کر لینے دے۔"

باطو نے جواباً لکھ بھیجا۔ "اے چڑیل توراکینہ! اگر تو زندہ رہی تو ساری عمر ماتم کرتی رہے گی۔ تُو نے اور تیری بہو نے میری ماں پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور جیسی اس کی تذلیل کی ہے' اس کے پیش نظر کہتا ہوں کہ اوغدائی اور تو یوق کی بیویوں کی عمر کم ہو چکی ہے پھر بھی چالیس دن تک ماتم کر لے اور قراقرم سے تمام بڑے بڑے سرداروں کو یہاں طلب کر۔ قرولتائی منعقد کر کے خان اعظم کا انتخاب کر۔"

توراکینہ نے اس کا جواب پڑھ کر غصے سے کہا۔ "یہ تو ایسی باتیں کر رہا ہے' جیسے خان اعظم بن چکا ہے اور ہمیں اپنا محکوم سمجھ رہا ہے؟"

اس کی بہو نے کہا۔ "منگو اور قبلائی کی فوجیں اس کے لشکر سے آ ملی ہیں۔ وہ سمجھتا ہے' ہم سے زیادہ فوجی قوت کا مالک بن چکا ہے۔"

توراکینہ نے کہا۔ "ہمارا سپہ سالار اعظم سوبودائی یہاں آئے گا تو وہ اس کے آگے گھٹنے ٹیک دے گا۔ میں ابھی قاصد کو بھیج کر سوبودائی کو بلاؤں گی۔"

اس نے اسی وقت ایک ایلچی کو سوبودائی کی طرف روانہ کر دیا۔ پھر باطو کو لکھ بھیجا۔ "تُو کیا سمجھتا ہے' میرے ایک بیٹے کے مرنے سے پوری مغل قوم تیرے آگے گھٹنے ٹیک دے گی؟ ہمارے لشکر کی سرداری اور سپہ سالاری کے لیے چغتائی کے بیٹے موجود ہیں پھر سپہ سالار اعظم سوبودائی یہاں پہنچنے والا ہے۔ تُو اس کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔

اور تو یہ کیا کہتا ہے کہ قرولتائی یہاں منعقد ہوگی؟ ہرگز نہیں.... آباؤ اجداد کے زمانے سے قراقرم کی چراگاہوں میں قرولتائی منعقد ہوتی آئی ہے اور وہیں خان اعظم کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔ اس بار بھی دستور کے مطابق یہی ہوگا۔

ارے او حرام زادے کی اولاد...! اس خیال میں نہ رہ کہ چغتائی کے بعد پورے مغل خاندان میں تو ہی بزرگ ہے اور چنگیز خان کے تمام پوتوں کا آقا ہے۔ اس کے باوجود مغل خاندان کا کوئی سردار ایک حرام کی اولاد کو اپنا خان اعظم تسلیم نہیں کرے گا۔ تُو خاقان بننے کا خواب اپنے ذہن سے نکال دے۔

ہم نے تویوق کی لاش کو برف میں دبا کر رکھا ہے۔ اس کے باپ اوغدائی کی وصیت کے مطابق ہمارے پوتے شیرامون کو خان اعظم بنایا جائے گا۔ اس کے بعد تویوق کی تدفین ہوگی۔"

پیغام رسانی کے ذریعے کئی دنوں تک ان دونوں کے درمیان باتیں ہوتی رہیں اور قراقرم سے بڑے بڑے سردار وہاں پہنچتے رہے۔ سیورقوقطنی بھی باطو کے پاس آ گئی تھی۔ اس نے کہا۔ "جھیل کے اس پار تمام بڑے سردار آ گئے ہیں۔ جہاں قرولتائی منعقد ہوگی اور خان اعظم کے سلسلے میں فیصلہ کیا جائے گا۔"

اوغول نے کہا۔ "میں خان اعظم کی بیوہ ہوں۔ دستور کے مطابق جب تک خان اعظم کا انتخاب نہ ہو میں پورے مغل قبیلے کی ملکہ ہوں۔ میرا حکم ہے کہ قرولتائی یہاں نہیں۔ قراقرم کی چراگاہوں میں منعقد ہوگی۔"

سیورقوقطنی نے کہلا بھیجا۔ "جب یہاں سے واپس جا سکے گی۔ تب ہی اپنا حکم منوا سکے گی۔ ملکہ بننے والی بے وقوف عورت! تُو باطو اور میرے بیٹے منگو اور قبلائی کو نادان سمجھتی ہے۔ جب مردہ خاقان کا لشکر واپسی کے لیے مڑے گا' تب پتا چلے گا کہ تم سب کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ آئندہ تیرے لشکر تک سامان رسد بھی پہنچ نہیں پائے گا۔ جتنا اناج ہے۔ اتنا اپنے سپاہیوں کو کھلاتی رہ۔ اس کے بعد بھوکوں مرنے کی نوبت آئے گی۔ کوئی بھی سردار تیرا حکم مان کر بھوکا مرنا نہیں چاہے گا۔ اپنے موجودہ حالات کو سمجھ۔ تیرے تمام حمایتی تیرا ساتھ چھوڑنے والے ہیں۔"

اوغول اور توراکینہ نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر انہوں نے صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے اپنے جاسوس دوڑائے۔ انہوں نے چند گھنٹوں میں واپس آ کر کہا۔ "ہماری واپسی کے راستے پر ایک لشکر جرار موجود ہے۔ انہوں نے ہمیں آگے بڑھنے سے روک دیا ہے اور یہ کہلا بھیجا ہے کہ وہ سامان رسد کا ایک تنکا بھی ہم تک پہنچنے نہیں دیں گے۔"

یہ سن کر تمام سرداروں نے کہا۔ "ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ قرولتائی یہاں منعقد کی جائے۔"

توراکینہ نے کہا۔ "وہ تم سب کو اپنے دباؤ میں رکھ کر اپنی مرضی چلائیں گے اور سیورقوقطنی اپنے بیٹے منگو کو خان اعظم بنانے کی ضد کرے گی۔"

مغل قبیلے کے سب سے بزرگ سردار ایلجی دائی نویان نے کہا۔ "اے توراکینہ....! دیکھا جائے تو تُو نے اوغدائی کی وصیت کے خلاف اپنے بیٹے کو خان اعظم بنایا تھا۔ جبکہ اوغدائی اپنے پوتے شیرامون کو خان اعظم کے لیے نامزد کر چکا تھا۔ تیری اس چالبازی کے باعث سیورقوقطنی اور باطو باغی ہو گئے۔"

وہ بولی۔ "تجھ جیسے بزرگ کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ مغل خاندان کے خلاف بغاوت کرنا بہت بڑا جرم ہے اور وہ یہ جرم کر رہے ہیں۔"

"ایسا جرم کرنے میں تیرے بیٹے نے پہل کی ہے۔ وہ مغل خاندان کے باطو' منگو اور قبلائی پر لشکر کشی کرنے کے لیے یہاں آیا تھا۔ تُو اور تیرا بیٹا غلطیاں کرنے میں جب بھی پہل کرتے ہیں تب ہی یہ لوگ بغاوت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

"تم سب اس کی حمایت میں بولتے جا رہے ہو۔ کیا ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو؟"

ایک سردار نے کہا۔ "ہم نے قسم کھائی تھی کہ جب تک اوغدائی کے خاندان میں گوشت کا ایک لوتھڑا بھی باقی رہے گا۔ ہم اس کی اطاعت کرتے رہیں گے۔"

اوغول نے کہا۔ "تو پھر اس کا پوتا یعنی میرا بیٹا شیرامون ابھی باقی ہے۔ اس کی اطاعت کرو۔"

"وہ ابھی بچہ ہے۔ خان اعظم کی ذمے داریاں سنبھال نہیں پائے گا۔"

توراکینہ اور اوغول نے مایوسی سے ان سرداروں کو دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا تم سب اس حرام زادے کے بیٹے باطو کو خان اعظم بنانا چاہتے ہو؟"

تمام سرداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سردار ایلجی دائی نویان نے کہا۔ "باطو کو نہیں، ہم منگو خان کو اپنا خان اعظم بنائیں گے۔"

جب یہ خبر سیورقوقطنی تک پہنچی تو وہ خوشی سے لہرا گئی۔ اس نے یہ الفاظ سننے اور اس مبارک وقت کا انتظار کرنے کے لیے اٹھارہ سال گزار دیے تھے۔ سیاست کی بساط پر باطو خان کو اپنا سب سے طاقتور مہرہ بنایا تھا۔ بڑے صبر و تحمل سے آہستہ آہستہ چالیں چلتی رہی تھی۔ اپنے بیٹے منگو اور باطو کے درمیان ایسی محبت' اعتماد اور دوستی پیدا کی تھی کہ وہ سگے بھائیوں سے بڑھ کر ایک دوسرے کے کام آتے رہتے تھے۔ یورت کے اندر رہنے والی ایک عورت کی حکمت عملی نے اپنے بیٹے منگو کو خان اعظم بنا دیا تھا۔

جب قرولتائی منعقد ہوئی اور تمام سرداروں اور مغل خاندانوں نے منگو خان کو اپنا خان اعظم تسلیم کر لیا تو منگو نے باطو کو گلے لگا کر کہا۔ "میرے بھائی! بول تو کیا چاہتا ہے؟ میرا پورا خاندان تجھ پر قربان۔ تُو جو چاہے گا وہی ہوگا' جو بولے گا اسے میں خان اعظم کا حکم بنا کر پورے قبیلے میں جاری کر دوں گا۔"

باطو نے اس سے الگ ہو کر اپنی ماں شینا کو دیکھا پھر کہا۔ "فی الحال تو میں تجھ سے توراکینہ اور اوغول غامش کا مطالبہ کرتا ہوں۔ انہیں میرے حوالے کر دے۔"

اس نے فوراً ہی اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اس کے حکم کے مطابق توراکینہ اور اوغول کو اس کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سیورقوقطنی اور شینا موجود تھیں۔ شینا نے ان دونوں کو دیکھتے ہی ان کی طرف تھوک دیا پھر اس نے باطو سے کہا۔ "بیٹے! میں انہیں دیکھتی ہوں تو دل کو بہت صدمہ پہنچتا ہے۔ سوچتی ہوں، یہ عورتیں کیا ہوتی ہیں؟ اپنی ہی جیسی عورتوں پر ظلم کی انتہا کر دیتی ہیں۔ میں ان دونوں کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ یہاں سے جا رہی ہوں مگر انہیں زندہ نہ چھوڑنا۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ سیورقوقطنی نے توراکینہ کو نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمارے درمیان اٹھارہ برس سے اقتدار کی جنگ جاری رہی۔ تُو کبھی خان اعظم اوغدائی کی بیوی بن کر حکومت کرتی رہی' کبھی اپنے بیٹے تویوق کو خان اعظم بنا کر مجھے ذلیل اور کمتر بناتی رہی۔ تُو نے اقتدار قائم رکھنے کے لیے مجھے تویوق کی بیوی بنا کر اپنے زیر اثر رکھنا چاہا تھا۔ لیکن میں نے تیری اس پیشکش پر تھوک دیا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر اعتماد تھا کہ دھیرے دھیرے ہی سہی لیکن ایک دن اقتدار کی جنگ تجھ سے جیت ہی لوں گی۔"

وہ بول رہی تھی۔ ایسے وقت توراکینہ نے اپنے گریبان سے ایک ڈبیا نکالی پھر اسے کھول کر اپنے منہ سے لگا لیا۔ اس میں ایک زہریلا رقیق مادہ تھا۔ جو اس کے حلق سے اترتا چلا گیا۔ وہ جانتی تھی کہ اسے بڑی اذیتیں دے کر ہلاک کیا جائے گا۔ اس سے پہلے ہی اس نے زہر پی کر جان دے دی۔

دنیا کے تمام مؤرخین یہی لکھتے آئے ہیں کہ کس طرح سپہ سالار' بادشاہ اور سردار اپنی قوت بازو سے تلواروں کے جوہر دکھا کر' گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر حکومت کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت کہیں نہیں لکھی گئی ہے کہ ان کی عورتیں کس طرح اپنے مردوں کے اعصاب پر سوار ہو کر اقتدار کی جنگ لڑتی رہی ہیں اور اپنے شوہروں' بیٹوں اور بھائیوں کو بادشاہ بناتی آئی ہیں؟

اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایک عام شخص کی بیوی بھی اپنے مرد کو' اپنے گھر کو صرف اپنے لیے مختص کرنا چاہتی ہے اور اپنے میاں کی برتری قائم رکھنے کے لیے دوسرے رشتے داروں سے لڑتی رہتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک' ہر شہر اور ہر گھر میں گونگی بن کر رہنے والی عورت اندر سے بہت متحرک اور فعال ہوتی ہے۔

باطو نے حکم دیا کہ ..... کو سمور کی کھال میں لپیٹ کر باندھ دیا جائے۔ جب اس کے حکم کی تعمیل کی گئی تو اس نے کہا۔ "ہمارے جد امجد چنگیز خان نے کہا تھا کہ ایک مغل کو دوسرے مغل کا خون نہیں بہانا چاہیے۔ لہٰذا اس عورت کو ہلاک کر دو اور خون نہ بہنے دو۔"

دو سپاہی بڑے بڑے آہنی ہتھوڑے لے آئے پھر ان ہتھوڑوں سے اس پر ایسی ضربیں لگائیں کہ ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ اس کے حلق سے شروع میں چیخیں نکلیں پھر وہ چیخنے کے قابل بھی نہ رہی۔ سزا دینے والوں کو جب یقین ہو گیا کہ اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دیا گیا ہے تو اسے اٹھا کر دریا میں پھینک دیا گیا۔

منگو خان اور قبلائی خان نے باہر آ کر چغتائی کے بیٹے بوری اور بائی دار کو قتل کر دیا۔ اس طرح چغتائی اور اوغدائی کا پورا خاندان اپنی آئندہ نسل کے ساتھ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ تویوق کا ایک بیٹا شیرامون باقی رہ گیا تھا۔ قبلائی خان نے کہا۔ "یہ بہت پیارا بچہ ہے۔ میں اس کی پرورش کروں گا۔"

وہ بچہ اس کے حوالے کر دیا گیا پھر باطو' منگو اور قبلائی تینوں سیورقوقطنی کے آگے آ کر گھٹنے ٹیک کر سر جھکاتے ہوئے بولے۔ "ہماری ماں بہت عظیم عورت ہے۔"

اس عظیم عورت کا ذکر تاریخ میں بہت کم ہے۔ شاید اس لیے کہ تاریخ عورتوں کے نہیں صرف مردوں کے کارنامے محفوظ رکھنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔

✦✦